ذبیح کون ہے؟

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ
کی مشہور تصنیف "الرای الصحیح فی من ھو الذبیح" کا اردو ترجمہ

از

مولانا امین احسن اصلاحی

ناشر
مرکزی انجمن خدام القرآن (رجسٹرڈ)
۱۲ افغانی روڈ۔ سمن آباد۔ لاہور

جملہ حقوق بحق
مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور
محفوظ ہیں

سال اشاعت	۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء
تعداد	۳۰۰۰
کاتب	عبدالغفور گیلانی
مطبوعہ	اشرف پریس لاہور

شائع کردہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور (رجسٹرڈ)

۱۲ - افغانی روڈ، سمن آباد۔ لاہور

فون : ۶۸۲۴۵

فہرست مضامین

۱۔ خطبۂ کتاب ۵

باب اوّل

(تورات اور علمائے اہل کتاب کے اعترافات سے استدلال) ۱۱

۲۔ حالت خواب میں وحی اور قربانی سے متعلق بعض اصولی مباحث۔ ۱۲

۳۔ یہود کے صحیفوں پر غور کرنے کے لیے چند بنیادی اصول۔ ۱۵

۴۔ واقعۂ ذبح تورات کے بیان کے مطابق۔ ۱۶

۵۔ پہلی دلیل ۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کا مسکن۔ ۱۸

۶۔ دوسری دلیل ۔ حضرت اسماعیلؑ ہی اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے تھے۔ ۲۰

۷۔ تیسری دلیل ۔ حضرت اسماعیلؑ اپنے باپ کے محبوب تھے۔ ۲۱

۸۔ چوتھی دلیل ۔ حضرت ابراہیمؑ کی قربان گاہ مروہ ہے جو خانہ کعبہ کے پاس ہے۔ ۲۲

۹۔ پانچویں دلیل ۔ قربان ہونے کے اصلی حق دار حضرت اسماعیلؑ تھے۔ ۲۸

۱۰۔ چھٹی دلیل ۔ حضرت اسحاقؑ کے لیے کثرت ذریت کی بشارت اس سے مانع ہے کہ وہ قربان ہوں۔ ۲۹

۱۱۔ ساتویں دلیل ۔ قربانی کا واقعہ حضرت اسحاقؑ کی ولادت سے پہلے پیش آیا۔ ۳۰

۱۲۔ آٹھویں دلیل ۔ حضرت اسماعیلؑ خداوند کی نذر تھے اور یہی قربانی کی حقیقت ہے۔ ۳۲

۱۳۔ نویں دلیل ۔ حضرت اسماعیلؑ کے لیے "خداوند کے حضور" کا لفظ آیا ہے اور یہی قربانی کی حقیقت ہے۔ ۳۳

۱۴۔ دسویں دلیل ۔ شریعت یہود میں اس عظیم واقعہ کی کوئی نشانی نہیں ہے اور یہ ہماری ملت کی اساس ہے۔ ۳۴

۱۵۔ گیارھویں دلیل ۔ یہود کو خانہ کعبہ کی طرف قربانی کرنے کا حکم دیا گیا۔ ۳۵

۱۶۔ بارھویں دلیل ۔ مسکن اسماعیلؑ تمام ذریت ابراہیمؑ کا قبلہ تھا۔ ۳۶

۱۷۔ تیرھویں دلیل ۔ خانہ کعبہ ہی حضرت ابراہیمؑ کی تعمیر اور ان کی قربان گاہ ہے۔ ۳۷

باب دوم ۳۹

(قرآن مجید سے استدلال) ۳۹

۱۸- قرآن مجید میں قصص اور دلائل میں تدبر کے لیے بعض اصول۔ ۳۹
۱۹- واقعۂ ذبیح قرآن مجید کی روشنی میں۔ ۴۰
۲۰- پہلی دلیل ۔ ذبیح کا ذکر دعا کے بعد ہی آیا ہے۔ ۴۱
۲۱- دوسری دلیل ۔ اس دعا کی دوسری نظیر اور نظم قرآن کا اشارہ۔ ۴۴
۲۲- تیسری دلیل ۔ دونوں نظیروں کی تطبیق ایک دوسرے پہلو سے۔ ۴۴
۲۳- چوتھی دلیل ۔ حضرت اسحاقؑ کی بشارت کے بارہ میں تمام نظائر کا استقصاء۔ ۴۴
۲۴- پانچویں دلیل ۔ پہلی بشارت دوسری بشارت سے بالکل الگ ہے۔ ۴۵
۲۵- چھٹی دلیل ۔ بشارت کے بعض قرائن جو حضرت اسحاقؑ کے ذبیح ہونے کے منافی ہیں۔ ۴۶
۲۶- ساتویں دلیل ۔ ذبیح اور حضرت اسحاقؑ کے لیے دو علیحدہ صفات۔ ۴۷
۲۷- آٹھویں دلیل ۔ ذبیح اور اسماعیلؑ کے لیے ایک جامع صفت۔ ۴۸
۲۸- نویں دلیل ۔ ذبیح اور حضرت اسماعیلؑ کے مابین ایک دوسری جامع صفت۔ ۴۸
۲۹- دسویں دلیل ۔ ذبیح اور حضرت اسحاقؑ کا ذکر مستقلاً علیحدہ علیحدہ ہوا ہے۔ ۴۹
۳۰- گیارھویں دلیل ۔ ذبیح کا نام مذکور نہ ہونا دلیل ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیلؑ ہی ہیں۔ ۵۳
۳۱- بارھویں دلیل ۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے حالات سے ایک جامع استدلال۔ ۵۶
۳۲- تیرھویں دلیل ۔ یہود کی تحریفات اور ان کی تردید۔ ۵۹

باب سوم ۶۹

۳۳- روایات اور اقوال سلف۔ ۶۹
۳۴- ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل۔ ۷۲
۳۵- ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل پر تنقید۔ ۷۴
۳۶- تفسیر کبیر اور کشاف کے بیانات کا خلاصہ اور بعض ضروری تنبیہات۔ ۷۶
۳۷- علامہ ابن کثیرؒ کے بیانات کا خلاصہ۔ ۷۸
۳۸- بعض مشہور متاخرین کے اقوال۔ ۸۰
۳۹- اہل عرب کے اقوال اور ان کے حالات قبل از اسلام سے استدلال۔ ۸۲

خاتمہ ۸۵

۴۰- ایک اجمالی مگر جامع نظر۔ ۸۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ کتاب

الحمد لله خالق الوجود من العدم وجاعل النور من الظلم ومخرج الصبر من الالم وملقي التوبة على الندم نشكره على المصائب كما نشكره على النعم ونصلي على رسوله الاكرم، ذي الشرف الاشم، والنور الاتم، والكتاب المحكم وكمال النبوة والخاتم، سيد ولد آدم احمد الذي بشر به عيسى ابن مريم ودعا لبعثته ابراهيم حين كان يرفع قواعد بيت الله المحرم فصلى الله عليه وسلم وعلى اتباعه خير الامم الذين بارك الله بهم كافة الناس من العرب والعجم۔

یہ رسالہ تفسیر نظام القرآن کے مقدمات میں سے ایک مقدمہ ہے۔ اس میں میں نے صرف اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دونوں بیٹوں ــــ حضرت اسماعیل و حضرت اسحاق علیہما السلام میں سے کس کو قربان کیا؟ اس رسالہ کا تاریخی نام میں نے "الرای الصحیح فی من هو الذبیح" رکھا ہے۔

اس مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ لکھنے کے بعض خاص اسباب ہیں، جن میں سے بعض کی طرف یہاں اشارہ کر دینا چاہتا ہوں۔

۱۔ پہلی چیز جو اس مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ لکھنے کی محرک ہوئی وہ اسلام میں اس کی غیر معمولی اہمیت ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسلام کی آزمائش کی اور جب اس چیز میں ان کو بالکل پختہ اور راسخ پایا تو ان کو برگزیدہ کیا اور لوگوں کا ان کو امام بنایا۔ قرآن مجید نے صراحۃً اور اشارۃً دونوں طرح اس حقیقت کی وضاحت کی ہے۔ مثلاً فرمایا:

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا

(البقرۃ - ۱۲۴)

اور یاد کرو، جب کہ امتحان کیا ابراہیم کا اس کے پروردگار نے چند باتوں میں، تو اس نے وہ پوری کر دکھائیں۔ فرمایا، البتہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔

دوسری جگہ فرمایا:

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۔ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

(البقرۃ - ۱۳۰)

اور ہم نے اس کو برگزیدہ ٹھہرایا دنیا میں، اور وہ آخرت میں نیکو کاروں میں ہوگا، یاد کرو جب کہ کہا اس سے اس کے پروردگار نے سرفگندہ ہو جا۔ بولا میں سرفگندہ ہوا تمام عالم کے پروردگار کے حضور۔

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس لیے برگزیدہ ٹھہرایا کہ انھوں نے اپنے پروردگار کی اطاعت کی اور جو کچھ ان کو حکم ملا اس کی ٹھیک ٹھیک تعمیل کر دی۔

اس کے بعد بعض دوسری آیات میں، اس اسلام اور اطاعت و سرافگندگی کی اصل حقیقت اور اس امتحان کی نوعیت بھی آشکارا کر دی ہے کہ یہ بیٹے کو خدا کی راہ میں قربان کرنے کا امتحان تھا۔

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ۔	پس جب وہ دونوں اطاعت کے لیے آمادہ ہو گئے اور
(صافات - ۱۰۳)	ابراہیم نے اس کو (اسماعیل کو) ماتھے کے بل پچھاڑ دیا۔

اس کے بعد تشریح کر دی ہے کہ اس امتحان سے مراد یہی امتحان ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ۔ (صافات - ۱۰۶)	بیشک یہی کھلا ہوا امتحان ہے۔

یعنی اس امتحان نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کمال اسلام اور ان کی حوالگی نفس کو بالکل ثابت کر دیا اور یہی چیز توحید کامل اور دین خالص کی اصلی حقیقت ہے۔

اس اسلام کو جس کی حقیقت اوپر بیان ہوئی ہے، عام ملت و شریعت کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے مخصوص فرمایا، اس میں دوسروں کو ساجھی نہیں بنایا۔ کیونکہ شریعت اسی کو دی جاتی ہے جو اس کو اٹھا سکے۔ اس بارگراں کی متحمل صرف آپ ہی کی امت ہو سکتی تھی۔ اس لیے اسی کو یہ امانت سپرد کی گئی۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کے وقت دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس ذریت میں سے جو اس وادی غیر ذی زرع میں آباد ہے ایک ایسی امت اٹھائے جو اس شریعت کی جو اسلام کامل کی مظہر ہے، حامل ہو سکے۔ اور ایک ایسا پیغمبر مبعوث فرمائے جو اس امت کو اس بارگراں کے اٹھانے کے قابل بنائے اور ان کو اس شریعت کی تعلیم دے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قرآن مجید میں ان الفاظ میں نقل ہوئی ہے۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ	اور یاد کرو جب کہ ابراہیم اٹھا رہا تھا گھر (بیت اللہ) کی
وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ	بنیادیں اور اسماعیل بھی (اور دونوں دعا کر رہے تھے کہ)
السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ	اے ہمارے پروردگار ہماری دعا قبول فرما۔ بیشک تو سننے والا
لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ	اور جاننے والا ہے، پروردگار! اور ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار
وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ	بنا اور ہماری اولاد میں سے اپنی ایک فرمانبردار امت
التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ	اٹھا اور بتا ہم کو ہمارے حج کے مراسم، اور قبول فرما ہماری
رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ	توبہ۔ بے شک تو توبہ قبول کرنے والا ہے اور مہربان ہے۔
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ	پروردگار اور اٹھا ان ہی میں سے ایک رسول جو سنائے
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔	ان کو تیری آیتیں اور سکھائے ان کو شریعت اور حکمت
(بقرہ - ۱۲۷ - ۱۲۹)	اور ان کو پاک کرے بے شک، تو غالب اور حکمت والا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی، چنانچہ ان کی اولاد میں سے امت محمدیہ کو اٹھایا اور اس

ذریعہ سے ملت ابراہیمی کی تکمیل فرمائی جس کی بنا اسلام کامل پر رکھی گئی تھی یعنی جس کی اصل حقیقت خدا کی راہ میں اپنے نفس کو قربان کردینا ہے۔ پس اس طرح یہ پوری امت گویا اپنے باپ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی سنت کے مطابق خدا کی راہ میں قربان ہے۔ اس کی زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ ایک دعا میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین ہوئی ہے، اس میں یہ حقیقت پوری طرح بے نقاب ہوگئی ہے۔

قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ
دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ
مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَ
مَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ
لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝
(انعام - ۱۶۲-۱۶۳)

کہو بے شک میرے پروردگار نے میری رہنمائی کی سیدھے
رستہ کی طرف، سیدھا دین، ابراہیم کی ملت، جو یکسو تھا۔
اور شرک والوں میں سے نہ تھا۔ کہو میری نماز اور میری قربانی
میری زندگی اور میری موت تمام عالم کے پروردگار اللہ
کے لیے ہے۔ اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ اسی کا مجھ کو حکم
ہوا ہے اور میں پہلا مسلم بنتا ہوں (سب سے پہلا مسلم ہوں)

یہاں "أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ" میں اسلام کا یہی خاص مفہوم مراد ہے، ورنہ اسلام اپنے عام معنی میں تو تمام خدائی مذاہب کے لیے بولا گیا ہے۔ البتہ علم اور نام کی حیثیت سے صرف اسی ملت کے لیے استعمال ہوا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس ملت کے پیرو کمال اسلام کے آخری نقطہ پر ہیں، یعنی جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے وہ اپنی جان کو خدا کے سپرد کرچکے ہیں اور اسی کے اسی وصف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو برگزیدہ کرکے تمام دنیا پر اپنا گواہ بنایا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ
وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ
مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ
وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ
وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (الحج - ۷۸)

اور کوشش کرو اللہ کی راہ میں جان توڑ، اس نے تم کو چنا
اور نہیں رکھی دین میں تم پر کوئی تنگی۔ تمہارے باپ ابراہیم کا
دین۔ اسی نے تمہارا نام مسلم پکارا۔ اس سے پہلے، اس
ملت میں بھی تمہارا نام یہی ہوا، تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور
تم لوگوں پر گواہ ہو۔

"هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ" اسی نے تمہارا نام مسلم رکھا اس سے پہلے، اس میں حضرت ابراہیم کی اس دعا کی طرف اشارہ ہے جس میں انہوں نے امت مسلمہ کا لفظ استعمال کیا ہے "مِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ" (اور ہماری ذریت میں سے اپنی ایک فرمانبردار امت اٹھا)

اس خاص مقصد کے لیے یہ خاص امت اس لیے اٹھائی گئی کہ اس کے ذریعہ سے یہ نعمت تمام دنیا پر عام ہو اور حضرت ابراہیم کی نسل تمام عالم کے لیے خیر و برکت کا سرچشمہ قرار پائے۔ چنانچہ تورات میں جہاں یہ واقعہ ذبح بیان ہوا ہے وہاں اس کی برکت کی طرف اشارہ موجود ہے۔

"اور یہ اس وجہ سے کہ تو نے یہ کام کیا اور اپنے اکلوتے بیٹے کو مجھ سے بچا نہ رکھا۔ تجھ کو برکت دوں گا اور تیری نسل کو بڑھاؤں گا .... اور تیری نسل سے زمین کی تمام قومیں برکت پائیں گی کیوں کہ تو نے میری بات سنی (پیدائش باب ۲۲، ۱۶-۱۸)

اس آخری ٹکڑے کا مطلب یہ ہوا کہ چونکہ یہ امت تمام دنیا میں دینِ خالص اور توحیدِ کامل کی اشاعت کرے گی۔ اس وجہ سے اس کے ذریعہ سے میری برکت تمام دنیا کی قوموں کو پہنچے گی، اور یہی معنی ہیں وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (اور تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو) اور وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ (کوشش کرو اللہ کی راہ میں جان توڑ، اس نے تم کو چن لیا) یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو اس عظیم الشان مقصد کی انجام دہی کے لیے چن لیا ہے، پس یہی وہ امت ہے جو اللہ کی راہ میں قربان ہو چکی ہے اور اس کی زندگی و موت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اسی خصوصیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس امت کو لوگوں پر گواہ اور ان کا ہادی و رہبر بنایا ہے۔

اب اس پوری تفصیل پر دوبارہ نظر ڈال کر غور کیجیے کہ اس سے کیا کیا باتیں معلوم ہوئیں؟ اس سے معلوم ہوا کہ یہی وہ کامل اسلام ہے جو ملتِ ابراہیمی کی اصل حقیقت ہے۔ اسی کی تکمیل اور تفصیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اسی کا نام اسلام رکھا، اسی کے پیروؤں کو مسلم کا لقب بخشا۔ اور اسی کی دعوت و تبلیغ کے لیے ذریتِ اسماعیل میں سے جو دینِ حنیفی کے مرکز، بیت اللہ الحرام کے پاس آباد تھی، ایک خاص امتِ مسلمہ مبعوث فرمائی۔ یہ تمام اشارات آیتِ ذیل میں کس خوبی اور کس اختصار کے ساتھ جمع ہو گئے ہیں۔

اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (الروم - ۳۰)

اپنے رخ کو سیدھا کرو دین کے لیے۔ یکسو ہو کر۔ یہ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں ہونی چاہیے یہی سیدھا فطری دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اب غور کرو، جن لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ امتحان جبل یروشلم پر واقع ہوا اور ذبیح ہونے والے حضرت اسحاقؑ ہیں نہ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام وہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ عظمیٰ کی اصل حقیقت اور مذہبِ اسلام کے اندر اس قربانی کی اصلی عظمت و اہمیت سے کس قدر بیگانہ ہیں۔

۲ - دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں بہت سی آیتیں ایسی ہیں جن کی صحیح تاویل اور جن کے صحیح نظام کا سمجھنا اسی مسئلہ کی تفصیلات کے سمجھنے پر منحصر ہے۔ اس دعوے کی بعض دلیلیں تم کو اوپر کی سطروں میں مل چکی ہیں اور بعض اس کتاب کی آئندہ فصلوں میں آئیں گی تفسیر نظام القرآن میں ایک ایک متعلق آیت کے تحت ان مباحث سے تعرض کرنا تکرار و طوالت کا موجب ہوتا اس لیے ہم نے اس معاملہ کی تمام مشکلات کے حل کے لیے اپنی یہ کتاب خاص کر لی ہے، پس اس کو ہماری تفسیر کا مقدمہ سمجھنا چاہیے۔ تفسیر میں ضرورت کے وقت ہم اس کا حوالہ دے دیا کریں گے۔

۳ - تیسری وجہ یہ ہوئی کہ یہود نے اس واقعہ کے چھپانے کے لیے جو کوشش کی ہے وہ کوشش کسی اور دوسرے واقعہ کو چھپانے کے لیے انھوں نے نہیں کی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور خانہ کعبہ کے معاملہ میں ان کی تحریفات اور ان کے جھوٹ کی کوئی حد نہیں۔ ان میں سے بعض کا ذکر (فصل ۲۲) اور دوسری فصلوں میں آئے گا۔ تورات میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے لیکن اس پر یہود نے تحریفات کے اتنے پردے ڈال رکھے ہیں کہ اصل حقیقت بالکل مسخ ہو کر رہ گئی ہے۔ قرآن مجید نے یہ تمام پردے ہٹا کر معاملہ کے اصل چہرہ کو بالکل بے نقاب

کردیا ہے اور بحث ونظر کی جو مخصوص روش اختیار فرمائی ہے اس کی روشنی میں بیان قابل ذکر ہیں۔

(ا) یہود کے تمام موجودہ صحیفوں کا متفقہ بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو صراحت کے ساتھ یہ حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں۔ لیکن قرآن مجید کا بیان اس کے خلاف ہے۔ وہ کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید اس سے بالاتر ہے کہ وہ کسی بات کو یہود سے لے یا ان کی مسخ شدہ کتابوں کو اپنا ماخذ بنائے بلکہ وہ تورات کی اصلاح کرنے والا ہے۔ یہود نے اپنی کتابوں میں جو تحریفات کر رکھی ہیں وہ ان کا پردہ چاک کرتا ہے اور ان کی ملائی ہوئی غلطیوں کی تصحیح کر کے اصل حقیقت سامنے رکھ دیتا ہے۔

(ب) تورات میں جہاں قربانی کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ یہود نے بالکل بے تکے طور پر وہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ حضرت اسحاق علیہ السلام کا نام ڈال دیا ہے اور یہ ان کی تمام تحریفات میں سب سے زیادہ بھونڈی تحریف ہے۔ قرآن مجید نے ان کی اس طرح کی تحریفات سے تعرض کرنا (جن کی تفصیلات فصل ۳ میں ملیں گی) اپنے بہت سے مصالح کی بنا پر اپنے وقار کے منافی سمجھا۔ اس لیے کھلے لفظوں میں اس کی تردید نہیں فرمائی اور کھلے الفاظ میں اس کی تردید کی ضرورت بھی نہیں۔ یہود نے بعض جگہ حضرت اسحاق علیہ السلام کا نام ڈال تو ضرور دیا تھا لیکن کلام کی باقی تمام شہادتیں ان کی اس تحریف کی پردہ دری کے لیے بالکل باقی تھیں۔ راہ کے بعض نشانات تو انھوں نے مٹا دیے تھے لیکن راہ کو بالکل ہی بند کر دینا ان کے بس میں نہ تھا۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ یہ تحریف چونکہ ان کی خواہشوں کے بالکل موافق تھی اس وجہ سے فوراً دلوں میں رچ بس گئی اور انھوں نے اس کو اس مضبوطی سے پکڑا کہ ان کے سلف و خلف سب اس پر متفق ہو گئے، ایک آواز بھی اس کی مخالف نہیں رہ گئی۔ جو لوگ صحیح اور غلط میں امتیاز کرنے کے عادی نہیں ہوتے وہ عام اور مشہور باتوں ہی سے زیادہ متاثر ہو جاتے ہیں۔ یہی صورت اس معاملہ میں بھی پیش آئی۔ یہود نے ایسے اتفاق رائے اور ایسے زور و قوت کے ساتھ آواز بلند کی کہ عام طور پر سب یہی بولی بولنے لگے۔ اس پُر زور پروپیگنڈے نے ہمارے بعض علما کو بھی متاثر کر دیا، جو یہود سے روایت قبول کر لینے میں کوئی حرج نہیں خیال کرتے تھے، اور ان کے صحیفوں کے بارہ میں حسن ظن رکھتے تھے، مثلاً ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ۔ انھوں نے اپنی تاریخ میں خود بیان کیا ہے کہ وہ قوموں کے حالات کے بارہ میں خود اس قوم کے افراد کے بیانات پر اعتماد کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک تسامح ان حضرات سے اس وجہ سے ہوا کہ وہ ان صحیفوں کی حقیقت سے واقف نہ تھے اور اصلی اور موجودہ تورات میں، جو محض چند مخلوط روایات کا مجموعہ ہے پوری طرح فرق نہ کر سکے۔

لیکن یہ غلط فہمی ہمارے صرف بعض علما کو ہوئی۔ دوسرے علمائے اسلام جو تنقید کی قابلیت رکھتے تھے انھوں نے خود تورات کے بیانات اور دلائل سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ذبح کا معاملہ دراصل حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا ہے نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے ساتھ۔ تاہم اس اختلاف رائے کا یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ اس مسئلہ کی اہمیت نگاہوں میں گھٹ گئی بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اس اختلاف کا باعث زیادہ تر اس کی عدم اہمیت کا احساس ہی ہوا۔ اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اس واقعہ ذبح کو ہماری ملت میں کیا درجہ حاصل ہے تو اس باب میں ان سے جو غفلت ہوئی وہ ہرگز نہ ہوتی۔ ان تین اسباب نے ہم کو آمادہ کیا کہ اس مسئلہ کو پوری طرح واضح کر دیا جائے۔ چنانچہ اسی مقصد کو سامنے رکھ کر میں نے یہ کتاب لکھی۔

یہ کتاب مقدمہ کے علاوہ تین ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

باب اوّل میں تورات اور علمائے اہل کتاب کے بیانات و اعترافات سے استدلال ہے تاکہ یہ دلائل اہل کتاب پر حجت ہو سکیں۔

باب دوم میں صرف قرآنی دلائل و نصوص سے بحث کی گئی ہے۔

باب سوم میں احادیث و آثار، مشہور علماء کے اقوال نیز عرب کے حالات اور ان کی قبل از اسلام کی روایات سے استدلال ہے

خاتمہ میں ان تمام مباحث پر ایک جامع نظر ڈالی گئی ہے۔

ان اشارات کے بعد اب ہم اصل مسئلہ کو شروع کرتے ہیں۔ ونسئل اللہ تعالیٰ التائید والتسدید هو الولی الحمید۔

باب اوّل

تورات اور علماء اہل کتاب کے اعترافات سے استدلال

حالتِ خواب میں وحی اور قربانی سے متعلق بعض اصولی مباحث

۱۔ اصل بحث کے آغاز سے پہلے خواب میں وحی اور قربانی سے متعلق بعض اصولی مباحث کا سمجھ لینا نہایت ضروری ہے۔ یہ اصولی مباحث درج ذیل ہیں۔

(الف) شریعت خداوندی کے عام مزاج سے یہ بات بہت بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو صریح الفاظ میں اس بات کا حکم دے کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کر ڈالے۔ البتہ خواب میں یہ بات دکھائی جا سکتی ہے۔ کیونکہ خواب تعبیر کی چیز ہوتی ہے۔ اگر خواب میں کسی کو ذبح کرنا دکھایا جائے تو اس کی سب سے قریب ترین تاویل یہ ہے کہ اس کو خدا کی نذر اور اس کے گھر کا خادم بنا دیا جائے۔ یہود کے ہاں معبد کے جو رسوم تھے ان کی رو سے معبد کے خدام بہت بڑی حد تک قربانی کے جانوروں کے مشابہ خیال کیے جاتے تھے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ان پر قربانی کے بعض مراسم ادا بھی کیے جاتے تھے۔ چنانچہ گنتی (۸:۱۰-۱۶) میں ہے:

"پھر لاویوں کو خداوند کے آگے لانا۔ تب بنی اسرائیل اپنے اپنے ہاتھ لاویوں پر رکھیں۔ ۱۱۔ اور ہارون لاویوں کو بنی اسرائیل کی طرف سے ہلانے کی قربانی کے لیے خداوند کے حضور گزرانے تاکہ وہ خداوند کی خدمت کرنے پر رہیں۔ ۱۲۔ پھر لاوی اپنے ہاتھ بچھڑوں کے سروں پر رکھیں اور تو ایک کو خطا کی قربانی اور دوسرے کو سوختنی قربانی کے لیے خداوند کے حضور گزراننا تاکہ لاویوں کے واسطے کفارہ دیا جائے۔ ۱۳۔ پھر تو لاویوں کو ہارون اور اس کے بیٹوں کے آگے کھڑا کرنا اور ان کو ہلانے کی قربانی کے لیے خداوند کے حضور گزراننا۔ ۱۴۔ یوں تو لاویوں کو بنی اسرائیل سے الگ کرنا اور لاوی میرے ہی ٹھہریں گے۔ ۱۵۔ اس کے بعد لاوی خیمۂ اجتماع کی خدمت کے اندر آیا کریں۔ سو تو ان کو پاک کرنا اور ہلانے کی قربانی کے لیے ان کو گزراننا۔ ۱۶۔ اس لیے کہ وہ سب کے سب بنی اسرائیل میں سے مجھے بالکل دے دیے گئے ہیں کیونکہ میں نے ان ہی کو ان سبھوں کے بدلے جو اسرائیلیوں میں پہلوٹھی کے بچے ہیں اپنے واسطے لے لیا ہے۔"

اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ حضرت ہارونؑ کی اولاد جو معبد کی خدمت کے لیے خاص تھی جب اس کے افراد اس خدمت پر مامور کیے جاتے تھے تو ان پر بعینہٖ وہی رسمیں پوری کی جاتی تھیں جو قربانی کے جانوروں کے لیے خاص تھیں۔ اس کے شواہد تورات میں بکثرت موجود ہیں۔ یہاں ہم نے صرف بقدر ضرورت پر اکتفا کیا ہے۔ آگے جگہ جگہ اس کی تفصیلات ملیں گی۔

(ب) غیب کے اسرار و احوال کبھی کبھی رؤیا کی شکل میں منکشف ہوتے ہیں۔ یہ رؤیا کبھی تو سپیدۂ صبح کی مانند بالکل روشن اور واضح

ہوتی ہے اور کبھی تمثیلی رنگ میں ہوتی ہے۔ جس طرح کلام کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں، کوئی کلام نہایت تصریح کے ساتھ اپنے مفہوم کو بتا دیتا ہے، کوئی استعارہ کے رنگ میں ہونے کی وجہ سے تاویل و تعبیر کا محتاج ہوتا ہے۔ اسی طرح رؤیا کی بھی مختلف حالتیں ہوتی ہیں۔ یہ دوسری قسم کی رؤیا تعبیر کی محتاج ہوتی ہے اور تعبیر بعض اوقات اس قدر دقیق ہوتی ہے کہ خود صاحب رؤیا سے بھی مخفی رہ جاتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے دونوں جیل کے ساتھیوں اور پھر بادشاہ نے جو خواب دیکھا تھا، قرآن مجید میں مذکور ہے کہ اس کی تاویل سمجھنے سے وہ قاصر رہے۔ تورات میں بخت نصر اور دانیال نبی کے بھی بعض اسی قسم کے خواب مذکور ہیں، جن کی تاویلیں ان پر بہت بعد میں کھلیں۔ یہی صورت حال بعض مرتبہ انبیاء علیہم السلام کو بھی پیش آ جاتی ہے۔ فن تعبیر ایک مخصوص علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی ایک مخصوص بصیرت و معرفت پر مبنی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے وَعَلَّمْتَنِي مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ (اور تو نے مجھے باتوں کی تعبیر سکھائی ہے) میں اسی علم کی طرف اشارہ فرمایا۔

(ج) وحی خواہ رؤیا کی شکل میں ہو یا عالم بیداری میں، جہاں تک اس پر یقین کرنے کا تعلق ہے، دونوں صورتوں میں اس اعتبار سے کوئی خاص فرق نہیں ہوتا۔ اس بات کا احساس کرنے کے لیے کہ ہمارے اندر کوئی قوت موجود ہے یہ بات کافی ہے کہ وہ قوت فعلاً یا انفعالاً ظاہر ہو جائے۔ اس کے بعد اس پر یقین کرنے کے لیے ہم کسی خارجی دلیل کے محتاج نہیں ہوتے۔ یہ ظاہر ہو جانا ہی اس کی سب سے زیادہ مضبوط دلیل ہے۔ ہمارے اندر سننے، دیکھنے اور سمجھنے کی قوتیں موجود ہیں۔ ان کے موجود ہونے کی سب سے زیادہ مضبوط دلیل یہ ہے کہ ہم سنتے ہیں، دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔ ان پر یقین کرنے کے لیے اس دلیل کے ماسوا ہم کو کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہی حال صاحب وحی کا ہوتا ہے۔ اس کو جو حالت پیش آتی ہے اس پر یقین کرنے کے لیے وہ کسی دلیل خارجی کا منتظر نہیں رہتا۔ ایک قسم کے اضطراب کی کیفیت سے وہ ضرور دوچار ہوتا ہے۔ لیکن اس کو دور کرنے کے لیے یہ بات کافی ہوتی ہے کہ اس حالت کا تجربہ اس کو بار بار ہو جائے۔ پس وحی، خواہ بیداری کی حالت کی ہو یا خواب کی، اپنے ساتھ خود یقین و اطمینان کی ٹھنڈک رکھتی ہے۔ جس طرح ہم عالم بیداری میں ایک محسوس حقیقت اور ایک خیال میں فرق کرنے سے عاجز نہیں رہتے۔ دونوں کو بغیر اشتباہ کے الگ الگ پہچان لیتے ہیں اسی طرح وہ خواب جو از قبیل خیال ہوتا ہے اور وہ رؤیا جو از قسم وحی ہے دونوں ایک دوسرے سے بالکل ممتاز ہوتے ہیں اور دونوں میں بآسانی تمیز ہو سکتی ہے۔ علوم نبوت کا یہ دروازہ ختم نبوت کے بعد بھی کھلا ہوا چھوڑ دیا گیا ہے تاکہ وحی کے احوال و معاملات کا ایک ہلکا سا عکس آج بھی اہل نظر دیکھ سکیں۔ اگرچہ ان دونوں کی حقیقتوں میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔

(د) خدا کے حضور میں قربان کرنے یا نذر گزراننے کے لیے ہمیشہ یہ ضروری رہا ہے کہ پہلوٹھا بچہ نذر گزرانا جائے، خواہ آدمی کا بچہ ہو یا حیوانات کا۔ یہاں تک کہ زمین کی عام پیداوار میں بھی یہ شرط ضروری تھی کہ فصل کا پہلا پھل پیش کیا جائے۔ خدائی شریعت کا یہ پرانا قانون ہے جو آدم کے وقت سے موجود ہے اور یہی حکم تورات میں بھی نازل ہوا۔ پیدائش (۴:۴) میں ہے:

"اور ہابل بھی اپنی بھیڑ بکریوں کے کچھ پہلوٹھے بچوں کا اور کچھ ان کی چربی کا ہدیہ لایا اور خداوند نے ہابل کو اور اس کے ہدیہ کو منظور کیا۔"

یہ شریعت حضرت آدم کے وقت کی ہے۔ بعینہٖ یہی حکم تورات میں بھی دیا گیا۔ گنتی (۸ : ۱۷) میں ہے:

"اس لیے کہ بنی اسرائیل کے سب سے پہلوٹھے کیا انسان کیا حیوان میرے ہیں۔ میں نے جس دن ملک مصر کے پہلوٹھوں کو مارا

اسی دن ان کو اپنے لیے مقدس کیا۔ اور بنی اسرائیل کے سب پہلوٹھوں کے بدلے میں نے لاویوں کو لے لیا ہے۔"

خروج (۱۳ : ۱ - ۲) میں ہے :-

"اور خداوند نے موسیٰ کو فرمایا کہ سب پہلوٹھوں کو یعنی جو بنی اسرائیل میں خواہ انسان ہوں خواہ حیوان پہلوٹھی کے بچے ہوں ان کو میرے لیے مقدس ٹھہرا کیونکہ وہ میرے ہیں۔"

(ھ) پہلوٹھا ہونے کی فضیلت ایک ایسی فضیلت تھی جو کسی حالت میں باطل نہیں ہو سکتی تھی۔ یہاں تک کہ اگر پہلوٹھا بچہ ایسی بیوی سے ہو جس سے شوہر کو نہایت نفرت رہی ہو اور دوسرا بچہ محبوب بیوی سے ہو جب بھی فضیلت پہلوٹھے ہی کو حاصل رہتی تھی کیونکہ وہ اس کی قوت کی ابتدا ہے اور پہلوٹھی ہونے کا حق اسی کا ہے۔[1] (استثناء ۲۱ : ۱۵ - ۱۷)

(و) جو خدا کی نذر کر دیا گیا۔ وراثت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ اس کا حصہ خدا ہے۔ استثناء (۱۰ : ۸ - ۹) میں ہے :-

"اسی موقع پر خداوند نے لاوی کے قبیلہ کو اس غرض سے الگ کیا کہ وہ خداوند کے عہد کے صندوق کو اٹھایا کرے اور خداوند کے حضور کھڑا ہو کر اس کی خدمت کو انجام دے اور اس کے نام سے برکت دیا کرے۔ جیسا آج تک ہوتا ہے اسی لیے لاوی کو کوئی حصہ یا میراث اس کے بھائیوں کے ساتھ نہیں ملی کیونکہ خداوند اس کی میراث ہے جیسا خود خداوند تیرے خدا نے اس سے کہا ہے۔"

دوسری جگہ اسی کتاب استثناء (۱۸ : ۱ - ۲) میں ہے :-

"لاوی کاہنوں یعنی لاوی کے قبیلہ کا کوئی حصہ اور میراث اسرائیل کے ساتھ نہ ہو۔ وہ خداوند کی آتشیں قربانیاں اور اسی کی میراث کھایا کریں۔ اس لیے ان کے بھائیوں کے ساتھ ان کو میراث نہ ملے۔ خداوند ان کی میراث ہے جیسا اس نے خود ان سے کہا ہے۔"

توریت میں اس کی نظیریں بہت ہیں۔ ہم نے صرف چند کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔

(ز) نذر کے لیے ایک ضروری شرط یہ ہوتی تھی کہ اس کو سات مرتبہ مذبح کے سامنے پھرایا جائے اور اس کے سر پر استرہ نہ چلا ہو۔ صرف مذبح کے سامنے اس کا سر مونڈا جائے۔ (دیکھو گنتی ۶ : ۵ - ۹)

(ح) جو خدا کی نذر یا معبد کا خادم بنایا جاتا اس کے لیے ایک مخصوص اصطلاح "خداوند کے حضور" یا "خداوند کے آگے" کی قائم ہو گئی تھی جس کے معنی یہ تھے کہ یہ معبد کی یا خداوند کی خدمت میں ہے۔

پیدائش (۱۷ : ۱) میں ہے :-

"جب ابرام ننانوے برس کا ہوا تب خداوند ابرام کو نظر آیا اور اس سے کہا کہ میں خدائے قادر ہوں تو میرے حضور میں چل اور کامل ہو۔"

---

[1] اگر کسی مرد کی دو بیویاں ہوں اور ایک محبوبہ اور دوسری غیر محبوبہ ہو اور محبوبہ اور غیر محبوبہ دونوں سے لڑکے ہوں اور پہلوٹھا بیٹا غیر محبوبہ سے ہو تو جب وہ اپنے بیٹوں کو اپنے مال کا وارث کرے تو وہ محبوبہ کے بیٹے کو غیر محبوبہ کے بیٹے پر جو فی الحقیقت پہلوٹھا ہے فوقیت دے کر پہلوٹھا نہ ٹھہرائے بلکہ وہ غیر محبوبہ کے بیٹے کو اپنے سب مال کا دونا حصہ دے کر اسے پہلوٹھا مانے کیونکہ وہ اس کی قوت کی ابتدا ہے اور پہلوٹھے کا حق اسی کا ہے۔

استثناء (۱۰ : ۸) میں ہے :-

"اور خداوند کے حضور کھڑا ہو کر اس کی خدمت کو انجام دے اور اس کے نام سے برکت دیا کرے۔"

خروج (۲۸ : ۳۵) میں ہے :-

"اس جبہ (سونے کی گھنٹیوں والا) کو ہارون خدمت کے وقت پہنا کرے تاکہ جب وہ پاک مقام کے اندر خداوند کے حضور جائے یا وہاں سے نکلے تو اس کی آواز سنی جائے۔"

نیز خروج (۲۹ : ۱۱) میں ہے :-

"پھر اس بچھڑے کو خداوند کے آگے خیمۂ اجتماع کے دروازہ پر ذبح کرنا۔"

پھر اسی باب کی آیت ۴۲ میں ہے :-

"ایسی ہی سوختنی قربانی تمہاری پشت در پشت خیمۂ اجتماع کے دروازہ پر خداوند کے آگے ہمیشہ ہوا کرے۔"

آیت ۲۳ میں ہے :-

"اور بے خمیری روٹی کی ٹوکری میں سے جو خداوند کے آگے دھری ہوگی۔"

آیت ۲۶ میں ہے :-

"اور تو ہارون کے تخصیصی مینڈھے کا سینہ لے کر اس کو خداوند کے رو برو ہلانا۔"

کتاب احبار میں اس طرح کی عبارتیں بہت مل سکتی ہیں۔ اور علمائے اہل کتاب نے "خداوند کے آگے" "اور خداوند کے حضور" کا یہی مفہوم لیا ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔

(ط) قربانی اسی مقام پر ہوتی ضروری تھی، جس کو خداوند نے اس کے لیے منتخب فرمایا۔ دیکھو استثناء (۱۲ : ۱۳-۱۴)[1] پیدائش (۲۲ : ۱-۱۴)[2] استثناء (۱۲ : ۵-۷)[3]

(ی) یہود کی شریعت میں خاص خاص قربانیوں کے ذبح کے لیے خاص خاص سمتیں متعین تھیں۔ دیکھو احبار (باب ۱۰) اور سب سے اعلیٰ قربانی "قدس الاقداس" کہلاتی تھی، دیکھو احبار (۶ : ۱۷ و ۲۵) نیز (۷ : ۱ و ۶) "قدس الاقداس" کے لیے یہ شرط تھی کہ وہ جنوب کی طرف متوجہ ہو کر کی جائے اور جو یہ قربانی کرنا چاہتے ان کے لیے ضروری تھا کہ وہ شمالی دروازہ سے اندر داخل ہوں۔ (خروج ۴۰ : ۲۲-۲۹) میں ہے :-

"اور میز کو اس پردہ کے باہر مسکن کی شمالی سمت میں خیمۂ اجتماع کے اندر رکھا۔ اور اس پر خداوند کے حضور روٹی سجا کر رکھی جیسا خداوند نے موسیٰ کو حکم کیا تھا۔ اور خیمۂ اجتماع کے اندر ہی میز کے سامنے مسکن کی جنوبی سمت میں شمعدان کو رکھا۔ اور چراغ خداوند

---

[1] اور تو خبردار رہنا تا ایسا نہ ہو کہ جس جگہ کو دیکھے وہیں اپنی سوختنی قربانی چڑھائے بلکہ اسی جگہ جسے خداوند تیرے کسی قبیلہ میں چن لے اپنی سوختنی قربانیاں گزراننا۔" [2] اور اس نے کہا اے ابرہام ..... تو اپنے بیٹے کو لے کر موریاہ کے ملک میں جا اور وہاں پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ جو میں تجھے بتاؤں گا سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا ....." [3] بلکہ جس جگہ کو خداوند تیرا خدا اپنے مسکن کے لیے چنے گا وہاں تو فسح کی قربانی کو اس وقت جب تو مصر سے نکلا تھا یعنی شام کو سورج ڈوبتے وقت گزراننا۔"

کے روبرو روشن کر دیے جیسا کہ خداوند نے موسیٰ کو حکم کیا تھا۔ اور زریں قربان گاہ کو خیمۂ اجتماع کے اندر پردہ کے سامنے رکھا۔ اور اس پر خوشبودار مصالح کا بخور جلایا جیسا خداوند نے موسیٰ کو حکم کیا تھا اور اس نے مسکن کے دروازہ پر پردہ لگایا اور خیمۂ اجتماع کے مسکن کے دروازہ پر سوختنی قربانی کا مذبح رکھ کر اس پر سوختنی قربانی اور نذر کی قربانی چڑھائی جیسا کہ خداوند نے موسیٰ کو حکم کیا تھا۔"

ایک مسیحی عالم نے ہیکل پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ([illegible]) ہے اس میں اس نے جہاں یہودیوں کے تمام مذہبی مراسم تفصیل بیان کیے ہیں وہاں اس امر کا بھی ذکر کیا ہے جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے اور نیچے حاشیہ میں مسکن کا دروازہ شمال میں ہونے کے بارہ میں لکھا ہے کہ ہم اس کی کوئی خاص وجہ نہیں بیان کر سکتے، ممکن ہے یہ وجہ ہو کہ شمال ٹھنڈ اور تاریکی کی سمت ہے یا یہ وجہ ہو کہ تیہ کے زمانۂ سفر میں ان کے معبد کا رخ فلسطین کی طرف تھا۔ غرض یہ ثابت ہے کہ مسکن کا دروازہ شمال میں تھا اور اس کا قبلہ اور شمعدان کی جگہ جنوب میں۔

یہود کے صحیفوں پر غور کرنے کے لیے چند بنیادی اصول

۲۔ یہ بات اپنی جگہ پر ثابت ہو چکی ہے کہ یہود نے اپنے صحیفوں میں بہت کچھ تبدیلیاں کر دی ہیں۔ بہت سے الفاظ ان کی جگہ سے ہٹا دیے ہیں، اور اسی طرح بہت سے الفاظ بڑھا بھی دیے ہیں۔ پس جس طرح ایک جج کے لیے جھوٹی شہادتوں کے طومار میں سے اصل واقعہ کو دریافت کرنا مشکل ہوتا ہے اسی طرح ان صحیفوں سے بھی اصل حقائق کو معلوم کرنا نہایت دشوار ہے۔ علماء کو ان کے سمجھنے میں بڑی بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں اور یہ ایک ایسی بات ہے جس کا علمائے اہل کتاب نے بھی اعتراف کیا ہے اور اپنی کتابوں میں اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔

اس معاملہ پر زیادہ تفصیل سے گفتگو کی ضرورت نہیں ہے۔ خود ان صحیفوں ہی کی بعض شہادتیں اصل حقیقت کو بے نقاب کر دینے کے لیے کافی ہوں گی۔ دیکھو یرمیاہ نبی ان کے جھوٹ پر کس طرح ماتم کرتے ہیں:-

"نبیوں کی بابت، میرا دل میرے اندر سے ٹوٹ گیا ...... خداوند اور اس کے پاک کلام کے سبب سے میں متوالا سا ہوا ...... کہ نبی اور کاہن دونوں ناپاک ہیں ...... وہ فاسق اور جھوٹ کے پیرو ہیں ...... وہ اپنے دلوں کے الہام بیان کرتے ہیں نہ کہ خداوند کے منہ کی باتیں ...... تم آنے والے دنوں میں اسے بخوبی معلوم کرو گے۔ میں نے ان نبیوں کو نہیں بھیجا پر یہ دوڑتے پھرے۔ میں نے ان سے کلام نہیں کیا پر انھوں نے نبوت کی ...... اس لیے دیکھ میں ان نبیوں کا مخالف ہوں، خداوند فرماتا ہے جو ایک دوسرے سے میری باتیں چراتے ہیں ...... کیونکہ تم نے زندہ خدا رب الافواج ہمارے خدا کے کلام کو بگاڑ ڈالا ہے۔"

(یرمیاہ ۲۳ : ۹ - ۳۶)

"تم کیونکر کہتے ہو ہم تو دانشمند ہیں اور خداوند کی شریعت ہمارے پاس ہے؟ لیکن دیکھ لکھنے والوں کے باطل قلم نے بطالت پیدا کی ہے۔ دانشمند شرمندہ ہوئے وہ حیران ہوئے اور پکڑے گئے۔ دیکھ انھوں نے خداوند کے کلام کو رد کیا ان میں کیسی دانائی ہے؟"

(یرمیاہ ۸ : ۸ - ۹)

ایسے ہی لوگوں کی طرف حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی اشارہ فرمایا ہے۔ (دیکھو یوحنا ۱۰: ۸)

"جتنے مجھ سے پہلے آئے سب چور اور ڈاکو ہیں۔"

اس عبارت کی روایت یا ترجمہ میں کچھ نقص رہ گیا ہے "جتنے مجھ سے پہلے آئے" کی تعمیم صرف ان لوگوں تک محدود ہے جو انبیاء صادقین کے بعد اور حضرت مسیح علیہ السلام سے کچھ پہلے آئے۔

بہرحال یہود کے صحیفوں پر جو شخص غور کرے گا اس پر یہ حقیقت اچھی طرح آشکارا ہو جائے گی کہ یہ سب مختلف المآخذ روایات کا مجموعہ ہیں اور جیسا کہ روایات کی خصوصیت ہے اکثر باہم دگر متناقض ہیں۔ چنانچہ بعض فرقوں کے نزدیک جو صحیفے مسلم ہیں دوسروں کے نزدیک ان کی سرے سے کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ یہ ایک معلوم و مشہور بات ہے اور علمائے اہل کتاب نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ پس ضروری ہے کہ ان صحیفوں پر کبھی حسن ظن کے ساتھ نظر نہ ڈالی جائے بلکہ تنقید کے پورے اہتمام کے ساتھ غور کیا جائے اور حق و باطل کے درمیان امتیاز کی کوشش کی جائے۔ ہمارے نزدیک یہود کے صحیفوں پر غور کرتے ہوئے مندرجہ ذیل اصولوں کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

ا:- جو باتیں یہود کے اغراض و مقاصد کے موافق پڑتی ہیں ان پر ہرگز اعتبار نہ کیا جائے۔

ب:- تحریف کرنے والے بعض اوقات ادھر ادھر کی تبدیلیاں کر کے حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ کر دیتے ہیں لیکن حق کے تمام نشانات مٹانے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔ بعض چیزیں ان کی خواہش کے بالکل خلاف ان کی نگاہوں سے بچ کر محفوظ رہ جاتی ہیں۔ پس نصوص کے اشارات کی روشنی میں انھیں نشانات کو پکڑنا چاہیے اور ان چیزوں کو اختیار کرنا چاہیے جو بظاہر ان کی تحریف سے محفوظ نظر آتی ہیں۔

ج:- ہر ٹھیک بات کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اپنے اردگرد حقائق کا ایک حصار رکھتی ہے، جھوٹ کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہے۔ پس آیات و روایات کی تطبیق اور واقعہ کے اجزاء و متعلقات کو جمع کر کے آسانی سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ حق کیا ہے؟

د:- قوموں کے وہ حالات و روایات جو اب سائنٹفک تحقیقات کی روشنی میں آگئے ہیں وہ بھی اس تحقیق میں آدمی کی رہنمائی کرتے ہیں۔

یہ چند عقلی اصول ہیں جن کو یہود کے صحیفوں پر غور کرتے وقت سامنے رکھنا چاہیے، ان کے بغیر اس خارزار میں قدم رکھنا خطرے سے خالی نہ ہوگا۔

واقعۂ ذبح تورات کے بیان کے مطابق

۴- واقعۂ ذبح جس طرح یہود کے صحیفوں میں بیان ہوا ہے پہلے ہم اس کو اسی صورت میں پیش کریں گے۔ اس کے بعد ان اصولوں کی روشنی میں جو اوپر گزر چکے ہیں اس پر تنقید کریں گے۔

کتاب پیدائش کا بائیسواں باب اسی واقعہ کے ذکر سے شروع ہوتا ہے لیکن اس باب کی حکایت سابق باب سے متصل ہے جس میں ابراہیم کے اس مسکن کا ذکر ہے جہاں وہ آباد تھے اور جہاں سے بیٹے کو لے کر وہ قربانی کے لیے نکلے تھے۔ اس میں بیان ہوا ہے کہ بیر سبع میں وہ بستے تھے۔ پھر ان کے پاس اس دیار کا بادشاہ آیا اور ان سے اس نے ایک معاہدہ کیا۔ پھر وہ اپنے مستقر فلسطین کی طرف لوٹ گیا۔ واقعہ کے آخر میں اشارۃً ان کے اس مسکن کا ذکر ہوا ہے جہاں سے نکل کر وہ قربانی کے مقام کی طرف گئے۔ ان امور کو

اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے بعد، اب اصل واقعہ کو پڑھو جو کتاب پیدائش (باب ۲۲) میں بیان ہوا ہے۔

"ان باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے ابراہام کو آزمایا اور اس سے کہا اے ابراہام! اس نے کہا میں حاضر ہوں (۱) تب اس نے کہا، اپنے بیٹے اضحاق کو جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے ساتھ لے کر موریاہ کے ملک میں جا اور وہاں اسے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا (۲) تب ابراہام نے صبح سویرے اٹھ کر اپنے گدھے پر چار جامہ کسا اور اپنے ساتھ دو جوانوں اور اپنے بیٹے اضحاق کو لیا اور سوختنی قربانی کے لیے لکڑیاں چیریں اور اٹھ کر اس جگہ کو جو خدا نے اسے بتائی تھی روانہ ہوا (۳) تیسرے دن ابراہام نے نگاہ کی اور اس جگہ کو دور سے دیکھا (۴) اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام قربانی تک آنے اور قربانی کرنے کا ذکر ہے یہاں تک کہ خدا نے ان کو پکارا (۱۱) پھر اس نے کہا کہ تو اپنا ہاتھ لڑکے پر نہ چلا اور نہ اس سے کچھ کر کیونکہ میں اب جان گیا کہ تو خدا سے ڈرتا ہے، اس لیے کہ تو نے اپنے بیٹے کو بھی جو تیرا اکلوتا ہے مجھ سے دریغ نہ کیا (۱۲) اور ابراہام نے نگاہ کی اور اپنے پیچھے ایک مینڈھا دیکھا جس کے سینگ جھاڑی میں اٹکے تھے۔ تب ابراہام نے جا کر اس مینڈھے کو پکڑا اور اپنے بیٹے کے بدلے سوختنی قربانی کے طور پر چڑھایا (۱۴) ابراہام نے اس مقام کا نام یہوواہ یری رکھا چنانچہ آج تک یہ کہاوت ہے کہ خداوند کے پہاڑ پر مہیا کیا جائے گا (۱۵) اور خداوند کے فرشتے نے آسمان سے دوبارہ ابراہام کو پکارا اور کہا کہ (۱۶) خداوند فرماتا ہے چونکہ تو نے یہ کام کیا کہ اپنے بیٹے کو بھی جو تیرا اکلوتا ہے دریغ نہ رکھا اس لیے میں نے بھی اپنی ذات کی قسم کھائی کہ (۱۷) میں تجھے برکت پر برکت دوں گا اور تیری نسل کو بڑھاتے بڑھاتے آسمان کے تاروں اور سمندر کے کنارے کی ریت کے مانند کر دوں گا اور تیری اولاد اپنے دشمنوں کے پھاٹک کی مالک ہوگی (۱۸) اور تیری نسل کے وسیلہ سے زمین کی سب قومیں برکت پائیں گی کیونکہ تو نے میری بات مانی (۱۹) تب ابراہام اپنے جوانوں کے پاس لوٹ گیا اور وہ اٹھے اور اکٹھے بیر سبع کو گئے اور ابراہام بیر سبع میں رہا۔"

اس کے بعد کی عبارت ہے "ان باتوں کے بعد یوں ہوا" لیکن اس میں واقعہ ذبح سے متعلق کوئی بات نہیں ہے اس لیے ہم نے اس کو نظرانداز کر دیا ہے۔ البتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس ہجرت کے متعلق دو اور روایتیں ہیں جو ہم آگے بیان کریں گے۔ اس فصل میں صرف یہ پیش نظر ہے کہ واقعہ کا منصوص حصہ اور وہ امور بیان کر دیے جائیں جن سے واقعہ کی اصل حقیقت پر بحث ہو سکتی ہے۔ پس مندرجہ ذیل امور کو خاص طور پر سامنے رکھو۔

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قربانی سے پہلے اور قربانی کے بعد بیر سبع کو اپنا مسکن بنایا۔

۲۔ سرزمین موریاہ بیر سبع سے تین دن کی مسافت پر ہے۔

۳۔ موریاہ ہی وہ مقام ہے جہاں انھوں نے قربانی کی۔

۴۔ یہ مقام دور سے نظر آتا تھا۔

۵۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی کی۔

۶۔ یہ بیٹا ان کو نہایت محبوب تھا۔

۷۔ مقام قربانی کے قریب جھاڑی تھی۔

۸۔ اکلوتے بیٹے کی قربانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو برکت دی۔

۹۔ اور ان کی اولاد کے وسیلے سے زمین کی تمام قوموں کو برکت دینے کا وعدہ فرمایا۔

۱۰۔ ان کی نسل اپنے دشمنوں کے پھاٹک کی مالک ہوگی۔

چونکہ تحریف کرنے والوں کو یہ گمان نہ تھا کہ ان امور کی مدد سے واقعہ کی اصل حقیقت بے نقاب ہو کے رہے گی، اس واسطے انھوں نے ان کو ہاتھ نہیں لگایا اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے بچ رہے۔ ﷲ الحمد۔

عام پڑھنے والوں کو صرف ایک بات یہاں کھٹکے گی کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کا نام تصریح کے ساتھ آگیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ بات ذرا بھی قابل اعتماد نہیں ہے ان کا نام یہود نے محض اس وجہ سے ڈال دیا ہے کہ یہ بات ان کی خواہشوں کے بالکل مطابق تھی۔ اس کے دلائل بے شمار ہیں جن میں سے بعض مذکورہ بالا بیان سے مستنبط ہیں اور بعض ان کے صحیفوں کے دوسرے مقامات سے ماخوذ ہیں اور اب ہم ان تمام دلائل کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

پہلی دلیل

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کا مسکن

۵۔ یہ واضح ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹے کی قربانی کے لیے نکلے ہیں ان کے ساتھ حضرت اسحاقؑ نہ تھے صرف حضرت اسماعیلؑ تھے۔ وہی ان کے ساتھ رہتے تھے۔ جن لوگوں نے حضرت اسحاقؑ کا نام یہاں ڈال دیا ہے وہ اس معاملہ کو نہ سمجھ سکے اور یہ چیز خود اس بات پر دلیل ہے کہ حضرت اسحاقؑ کا نام اس موقع پر بعد کا اضافہ ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ واقعہ سے صاف واضح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹے کی قربانی کے بعد بیر سبع میں واپس آئے اور وہیں قیام کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیر سبع ان کا پہلے سے مسکن تھا۔ چنانچہ سابق باب[1] میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اور واقعہ کی اصل حقیقت بھی یہی ہے۔ بیر سبع ہی وہ مقام ہے جہاں حضرت اسماعیلؑ اپنی والدہ کے ساتھ رہے۔ تورات میں جہاں حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ کو حضرت اسحاقؑ اور ان کی والدہ سے علیحدہ کرنے کا واقعہ بیان ہوا ہے وہاں اس امر کی نہایت واضح تصریح موجود ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس واقعہ میں بہت کچھ جھوٹ کی آمیزش کر دی گئی ہے اور چونکہ یہ جھوٹ تورات کی تصریحات کے بالکل خلاف تھا اس لیے علمائے یہود نے اس کا اعتراف بھی کیا ہے لیکن بایں ہمہ اس واقعہ میں گوناگون تحریفات کے باوجود بھی حق کے واضح نشانات موجود ہیں۔ پس ہم اس جھوٹ کو نظر انداز کر کے ان کے اصلی اعترافات کو پکڑتے ہیں۔

کتاب پیدائش (۲۱: ۱۴) میں ہے:

"تب ابرہام نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی اور اسے ہاجرہ کو دیا بلکہ اسے اس کے کندھے پر دھر دیا۔"

---

[1] پیدائش (۲۱ آیت ۳۱)

لڑکے کو بھی اس کے حوالے کر کے رخصت کر دیا۔ سو وہ چلی گئی اور بیر سبع کے بیابان میں آوارہ پھرنے لگی"۔ (اس کے بعد پانی کے چک جانے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت ملنے اور دوبارہ پانی حاصل ہونے کا ذکر ہے اور پھر یہ عبارت ہے) "اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہوا اور بیابان میں رہنے لگا"۔

اس عبارت میں 'بیابان' اور 'بیر سبع کا بیابان' کے الفاظ آئے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ بیر سبع کوئی آباد مقام نہ تھا۔ ایک بیابان تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس میں سات کنوئیں کھودے اور درخت لگائے تھے۔ اس وجہ سے ابتدا میں اس کو 'بیر سبع کا بیابان' کہنے لگے۔ یہ نام رکھنے کا ایک عام اسلوب ہے جو ہر زبان میں موجود ہے۔ 'مدینۂ مصر' اور 'جنات الفردوس' ہم عام طور پر بولتے ہیں۔ پس یہ دھوکا نہ ہونا چاہیے کہ 'بیابانِ بیر سبع' اس 'بیر سبع' کے علاوہ کوئی مقام ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام رہا کرتے تھے۔ اس واقعہ میں اس کے علاوہ جو جھوٹ ملا دیے گئے ہیں یہاں ان سے تعرض کی ضرورت نہیں۔ یہاں ہم صرف مندرجہ ذیل نتائج تک پہنچنا چاہتے ہیں اور ان تک پہنچنے کے لیے راہ صاف ہو گئی ہے۔

۱۔ بیر سبع حضرت اسماعیل اور ان کی ماں کا مسکن تھا۔

۲۔ یہ مقام حضرت اسحاق اور ان کی والدہ کے مسکن سے دور تھا۔

۳۔ یہی حضرت ابراہیمؑ کا بھی مسکن ہوا وہ یہیں سے قربانی کے لیے نکلے۔ اور پھر قربانی کے بعد یہیں واپس آئے۔

۴۔ حضرت سارہ کا مسکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مسکن سے دور تھا۔ اس کی ایک نہایت واضح دلیل یہ بھی ہے کہ جس وقت حضرت سارہ بیمار ہوئیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے پاس موجود نہ تھے یہاں تک کہ جب انھوں نے ان کی موت کی خبر سنی تو ان کو وہاں سفر کر کے جانا پڑا۔ کتاب پیدائش (۲۳: ۲) میں ہے:۔

"اور سارہ نے قریت اربع میں وفات پائی یہ کنعان میں ہے اور حبرون بھی کہلاتا ہے اور ابرہام سارہ کے لیے ماتم کرنے اور رونے کو وہاں گیا"۔

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ حضرت ابراہیمؑ جب صبح کو بیٹے کی قربانی کے لیے نکلے انھوں نے حضرت اسماعیل کو ساتھ لیا جو بیر سبع میں ان کے ساتھ موجود تھے نہ کہ اس بیٹے کو جو ان سے بہت دور حضرت سارہ کے ساتھ کنعان میں تھا۔ یہ بات ہم فرض کر کے کہتے ہیں کہ حضرت اسحٰقؑ اس وقت پیدا ہو چکے تھے۔ جیسا کہ علمائے یہود دعویٰ کرتے ہیں ورنہ اصل واقعہ یہ ہے کہ اس وقت تک حضرت اسحاقؑ پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ ان کی ولادت تو واقعہ ذبح کے بعد ہوئی ہے۔ تفصیلات گیارھویں فصل میں آئیں گی۔

اس واقعہ میں یہ بات خود نمایاں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جس بیٹے کو قربان کیا اس کو قربان گاہ کے پاس ہی چھوڑ دیا۔ نیز یہ بات ان کے اس قول سے بھی واضح ہوتی ہے جو انھوں نے حضرت اسحاق کی ولادت کی بشارت سن کر فرمایا۔ انھوں نے فرمایا، کاش اسماعیل تیرے حضور زندہ رہے[1]۔ یعنی تیرے گھر کی خدمت میں مشغول رہے۔ اس کی تفصیل فصل ثانی کے حرف 'ح' میں گزر چکی ہے۔ اس بات کی تائید قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے۔ فرمایا:۔

---

[1] پیدائش ۱۷-۱۸

رَبَّنَآ اِنِّیۡٓ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ

پروردگار! میں نے اپنی اولاد میں سے ایک بن کھیتی کی زمین میں تیرے محترم گھر کے پاس بسایا ہے۔ پروردگار! تاکہ وہ نماز قائم کریں۔

یہ بیت اللہ کے جوار میں بسنے والے کون ہیں؟ یقیناً حضرت اسماعیل علیہ السلام۔ کیونکہ باتفاق فریقین یہ بات معلوم ہے کہ حضرت اسحاقؑ اپنی والدہ کے ساتھ برابر کنعان ہی میں رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود اپنے لیے ایک تیسری جگہ منتخب فرمائی جو حضرت اسحاقؑ کے مستقر اور حضرت اسمٰعیلؑ کے مسکن کے بیچ میں تھی تاکہ وقتاً فوقتاً اپنے دونوں بیٹوں کو بھی دیکھ سکیں اور بیت اللہ سے بھی قریب رہیں، چنانچہ ان کی وفات کے وقت ان کے دونوں بیٹے ان کے پاس موجود تھے۔ کتاب پیدائش (۲۵ : ۹) میں ہے۔

"اور اس کو اس کے دونوں بیٹوں اسحاقؑ اور اسمٰعیلؑ نے دفن کیا۔"

اسی طرح مقام ذبح سے بھی ہم اپنے دعوے پر استدلال کریں گے اور اس کی تفصیل آٹھویں فصل میں آئے گی۔

دوسری دلیل

حضرت اسمٰعیل ہی اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے تھے

۶۔ واقعۂ ذبح کی تفصیلات میں پڑھ چکے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اکلوتے بیٹے کی قربانی کا حکم ہوا تھا اور اس میں ذرا شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اکلوتے حضرت اسماعیل ہی کیونکہ وہ حضرت اسحاق سے ۱۴ برس بڑے ہیں۔ پیدائش (۱۶ : ۱۶) میں ہے:۔

"اور جب ابرام سے ہاجرہ کے اسمٰعیل پیدا ہوا تب ابرام چھیاسی برس کا تھا۔"

پھر پیدائش (۲۱ : ۵) میں ہے:۔

"اور جب اس کا بیٹا اضحاقؑ اس سے پیدا ہوا تو ابراہام سو برس کا تھا۔"

اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔

ا:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیلؑ تھے۔ یہاں تک کہ حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے۔

ب:۔ اس اکلوتے بیٹے کی قربانی انھوں نے حضرت اسحاقؑ کی ولادت سے پہلے کی کیونکہ دوسرے بھائی کے پیدا ہوجانے کے بعد وہ اکلوتے نہیں رہے۔

یہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ پر اس امر کی مستقل دلیل ہیں کہ ذبیح حضرت اسماعیلؑ ہیں۔ یہ امر اس قدر واضح ہے کہ کوئی شخص اس سے اختلاف کی جرأت نہیں کر سکتا۔ مگر علماء اہل کتاب نے خواہ مخواہ اس کے جواب دینے کی کوشش کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ صرف حضرت اسحاق علیہ السلام ہی رہ گئے تھے۔ حضرت اسماعیلؑ بہت دور بھیج دیے

گئے تھے۔ اس لیے اکلوتے حضرت اسحاقؑ ہی بن گئے۔ گویا، ان کے سوا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کوئی اولاد تھی ہی نہیں حالانکہ اس جواب میں چند در چند اسقام ہیں۔

ا:- اوپر پڑھ چکے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دُور در حقیقت حضرت اسحاق تھے نہ کہ حضرت اسمٰعیل۔ حضرت اسماعیل تو بیر سبع میں اپنے ماں باپ کے ساتھ ہی تھے۔

ب:- حضرت اسحاقؑ پر اکلوتے بیٹے کا اطلاق محض اس بنا پر ہرگز نہیں ہو سکتا کہ (یہود کے خیال کے مطابق) ان کے بڑے بھائی ان سے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دور تھے، کسی شخص کا اکلوتا بیٹا وہی ہو سکتا ہے جس کے ساتھ کوئی اور بیٹا اس کی محبت میں شریک نہ ہو۔ یہ ایک ایسی واضح بات ہے جس میں ذرا بھی اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔

ج:- اگر تھوڑی دیر کے لیے ان لوگوں کی منطق تسلیم بھی کر لی جائے جب بھی اکلوتے کے لقب کے اصلی مستحق حضرت اسماعیلؑ ہی ٹھہرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے باپ کے مسکن سے ان لوگوں کے بیان کے مطابق دور اور تن تنہا تھے۔

پھر یہاں ایک اور لطف کی بات بھی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اُنک وحیدک "تیرا اکلوتا بیٹا" بکرک "تیرا پہلوٹھا بیٹا" کو تحریف کر کے بنایا ہے۔ یہ تحریف یقیناً کسی فائدہ کے خیال سے کی گئی ہوگی، لیکن اس سے وہ اور زیادہ نقصان میں رہے۔ کیونکہ اس طرح وہ ایک دلیل سے بھاگے تھے لیکن دو حجتیں ان کے گلے پڑ گئیں اور علاوہ ازیں ایک ایسی حقیقت ان کے سامنے آگئی جس کے ظہور کا ان کو وہم و گمان بھی نہ تھا یعنی اس سے یہ نتیجہ بھی نکلا کہ حضرت اسمٰعیلؑ حضرت اسحاقؑ کی ولادت سے پہلے قربان کیے گئے ہوں۔ گیارھویں فصل میں اس کی مزید تفصیلات آئیں گی۔

تیسری دلیل

حضرت اسمٰعیلؑ اپنے باپ کے محبوب تھے

اوپر پڑھ چکے ہو کہ جس بیٹے کو قربان کرنے کا حکم ہوا تھا اس کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ جو تجھے محبوب ہے۔ اس سے بھی واضح ہے کہ اس سے مراد حضرت اسماعیلؑ ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ یہود کے صحیفوں میں ایسے دلائل موجود ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسماعیلؑ سے بہت زیادہ محبت تھی۔ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں

ا:- حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کے لیے دعا فرمائی تھی۔ کتاب پیدائش (۱۵: ۲-۴) میں ہے:-

"ابرام نے کہا، اے خداوند خدا تو مجھے کیا دے گا؟ کیونکہ میں تو بے اولاد جاتا ہوں اور میرے گھر کا مختار دمشقی الیعزر ہے۔ پھر ابرام نے کہا دیکھ تو نے مجھے کوئی اولاد نہیں دی اور دیکھ میرا خانہ زاد میرا وارث ہوگا۔ تب خداوند کا کلام اس پر نازل ہوا اور اس نے فرمایا یہ تیرا وارث نہ ہوگا بلکہ وہ جو تیرے صلب سے پیدا ہوگا وہی تیرا وارث ہوگا۔"

جب اللہ تعالیٰ نے یہ محبوب اولاد ان کو بخشی تو اس کا نام انہوں نے اسمٰعیل رکھا جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا

سنی۔ کتاب پیدائش (۱۶: ۱۵) میں ہے :۔

"اور ابرام سے ہاجرہ کے ایک بیٹا پیدا ہوا اور ابرام نے اپنے بیٹے کا نام جو ہاجرہ سے پیدا ہوا اسمٰعیل رکھا"

ذرا تصور کیجیے کہ ایک عابد اور صاحب سوز و گداز انسان ہے جو بڑھاپے کی آخری منزل تک پہنچ چکا ہے۔ لیکن اولاد کی نعمت سے محروم ہے۔ اس محرومی سے اس کا دل تنگ ہو رہا ہے اور وہ اپنے پروردگار سے اولاد کے لیے پرسوز دعا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرما کر اولاد کی نعمت سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے۔ اس قبولِ دعا پر اس کے دل کا ریشہ ریشہ شکر کے جذبہ سے معمور ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کا نام ہی "قبولِ دعا" رکھ دیتا ہے۔ پھر تیرہ برس تک ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی پرمحبت آغوش سے اس کو الگ نہیں کرتا۔ اکلوتا بیٹا ہے، دعائے سحر ہے، بڑھاپے کا چشم و چراغ ہے، اور صورتِ حال ایسی ہے کہ آئندہ اولاد کی کوئی امید نہیں، ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیجیے کہ ایسے بیٹے کے ساتھ ایسے باپ کی محبت کا کیا عالم ہوگا؟

ب:۔ جس وقت حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحاقؑ کی ولادت کی بشارت ملی ہے اس وقت بھی انھوں نے ایک ایسی بات فرمائی جس سے حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ ان کی بے پایاں محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس نعمت گرانمایہ کو پا کر دنیا کی تمام خواہشوں سے بالکل بے نیاز ہو گئے تھے۔ کتاب پیدائش (۱۷: ۱۸) میں ہے :۔

"اور ابرہام نے خدا سے کہا کہ کاش اسمٰعیل ہی تیرے حضور جیتا رہے"

یہ فقرہ وہ اس وقت فرماتے ہیں جب ان کو ایک دوسرے بیٹے کی ولادت کی بشارت مل رہی ہے۔ اور پھر غور کیجیے اس کی زندگی اور اس کے بقا کے لیے وسیلہ کیسا ڈھونڈتے ہیں؟ "تیرے حضور جیتا رہے"۔ اس فقرہ میں محبت کا جو جذبہ چھپا ہوا ہے اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ جوشِ محبت کی بے تابیوں کا یہ عالم ہے کہ اس کو چھپانے پر کسی طرح قادر نہیں ہیں۔ یہاں تک کہ خدا کے حضور بھی اس کو ظاہر کر دیتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ بھی جب اس بیٹے کا ذکر فرماتا ہے تو ان کے اس تعلق قلب کی طرف اشارہ فرماتا ہے: "وہ بیٹا جس سے تجھ کو محبت ہے"

ج:۔ حضرت سارہ نے جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ خواہش کی کہ حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ کے ساتھ وراثت میں حصہ نہ پائیں، اور یہ کہ ان کو اور ان کی ماں کو گھر سے نکال دیا جائے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سخت رنجیدہ ہوئے۔ پیدائش (۲۱: ۱۱) میں ہے :۔

"پر ابرہام کو اس کے بیٹے کے باعث یہ بات نہایت بری معلوم ہوئی"

اس سے واضح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے نہایت محبت تھی۔

چوتھی دلیل

حضرت ابراہیمؑ کی قربان گاہ مروہ ہے جو کعبہ کے پاس ہے

۱:۔ واقعہ ذبح کے سلسلہ میں تورات کا یہ بیان پڑھ چکے ہو کہ :۔

"تیسرے دن ابراہیم نے نگاہ اٹھائی اور قربانی کی جگہ کو دور سے دیکھا۔"

یہود کا خیال ہے کہ یہ یروشلم میں وہ جگہ ہے جہاں ہیکل سلیمانی ہے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہ وہ مقام ہے جہاں مسیح کو سولی دی گئی تھی لیکن ان کے محققین کے نزدیک ان کا یہ دعویٰ بالکل بے اصل ہے۔ اس باب میں ان کے جو اختلافات ہیں ان کو ہم ان ہی کے ایک محقق عالم جے۔ ڈبلیو۔ کولنزو (J. W. COLENSO) کی زبانی بیان کرتے ہیں۔ اس نے اس مقام کے بارہ میں، جس کا نام انھوں نے "مریا" بتایا ہے تمام اختلافات نقل کیے ہیں اور آخر میں خود محاکمہ کر کے ان کی تمام تحریفات کا پردہ چاک کر دیا ہے۔ اختلافات کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

وہ مقام جہاں توریت میں یہ نام آیا ہے	نسخہ سبعینیہ کی روایت	نسخہ عبرانیہ کی روایت
پیدائش (۲۲ : ۲)	بلند زمین	ملک مورہ
پیدائش (۱۲ : ۶)	اونچے بلوط	میدان مورہ
تثنیہ (۱۱ : ۳۰)	اونچے بلوط کے قریب	میدان مورہ کے قریب
قضاۃ (۷ : ۱)	جبل مورہ کے پاس	جبل مورہ کے پاس

پھر ایک ہی نسخہ کی ایک ہی آیت کا ترجمہ مختلف مترجمین نے مختلف کیا ہے۔ مثلاً نسخہ سبعینیہ میں پیدائش (۲۲ : ۲) میں "بلند زمین" ہے ..... اقیلا کے ترجمہ میں "نمایاں سرزمین" اور سماخوس کے ترجمہ میں "رویا کی سرزمین" ہے۔ جس طرح اس لفظ کے ترجمہ میں اختلاف ہے اسی طرح اس کو لکھتے بھی مختلف شکلوں میں ہیں۔ فصل کے آخر میں ہم اس کی تفصیل بیان کریں گے۔ ان اختلافات کو بیان کرنے کے بعد کولنزو نے ان کی تحریف پر بحث کی ہے اور دو واضح دلیلوں سے دعویٰ کو باطل کر دیا ہے۔

۱۔ یہ نام ہیکل کی جگہ کے لیے کسی صحیفہ میں بھی نہیں آیا ہے۔ کولنزو کے الفاظ یہ ہیں: "یہ نام سلیمان کے بعد سے کسی کتاب میں نہیں پایا جاتا۔ جس پہاڑ پر ہیکل کی تعمیر ہوئی، انبیاء کے صحیفوں اور مزامیر وغیرہ میں اس کا نام صیہون لیا گیا ہے۔ ہیکل کی جگہ کے لیے مریا کا لفظ کہیں نہیں آیا ہے۔"

۲۔ اس مقام کی جو صفات بیان ہوئی ہیں وہ کسی طرح ہیکل کی جگہ کی خصوصیت پر منطبق نہیں ہوتیں۔ ہمارے نزدیک یہ دلیل نہایت قوی ہے۔ کولنزو نے لکھا ہے کہ تورات میں ایک مقام کو دور سے دیکھنے کا ذکر ہے جس کی طرف ابراہیم نے نگاہ اٹھائی، حالانکہ یہاں کوئی جگہ ایسی نہیں ملتی جس پر یہ بیان منطبق ہو سکے۔ جس جگہ کو یہود قربانی کی جگہ قرار دیتے ہیں یعنی جبل ہیکل یا جبل موریاہ، قطع نظر اس سے کہ اس تسمیہ کے سوا ان کے دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں ہے، معاملہ کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ یہ اسی وقت نظر آتا ہے جب ایک شخص مشرقی جانب سے وادی ہنوم سے ہو کر وہاں پہنچے۔ اس وقت وہ ہیکل کو اوپر سے دیکھ سکے گا۔ اس کے بعد اس کی تائید میں اس نے محقق استانلی کی مندرجہ ذیل تحقیق نقل کی ہے۔

"صبح کے وقت وہ (ابراہیم علیہ السلام) بیرسبع کے خیموں سے نکل کر روانہ ہوئے اور اس مقام کی طرف گئے جہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو جانے کا حکم دیا تھا۔ یہود مدعی ہیں کہ یہ مقام یروشلم میں جبل موریا ہے لیکن میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ یہ مقام قبر مقدس کے کنیسہ کے قریب ہے۔ لیکن یہ دعویٰ پہلے دعویٰ سے بھی زیادہ بے بنیاد

ہے۔ مسلمان کہتے ہیں کہ یہ مقام مکہ میں جبل عرفات پر ہے۔ ان کا دعویٰ سب سے زیادہ عجیب اور بے حقیقت ہے۔ سب سے لگتی ہوئی بات یہ ہے کہ اس مقام کو جبل جریزیم پر تلاش کیا جائے۔ وہ شکلاً بھی قربان گاہ سے بہت ملتا جلتا ہوا ہے۔

اس محقق نے مسلمانوں کی طرف جو دعویٰ منسوب کیا ہے کہ وہ اس مقام کو جبل عرفات پر بتاتے ہیں، محض بے خبری پر مبنی ہے۔ جہاں تک میری معلومات ہیں کوئی مسلمان بھی جبل عرفات کے قربان گاہ ہونے کا قائل نہیں ہے۔ رہا جبل جریزیم تو یہود میں ایک فرقہ سماریہ کے نام سے موسوم ہے، وہ اس کو قربان گاہ قرار دیتا ہے۔ ان کی تورات بھی اس تورات سے بالکل مختلف ہے۔ جس کو عام یہود مانتے ہیں۔ مسیحی دوسرے یہودیوں کے مقابل میں ان کو اپنے سے زیادہ قریب سمجھتے ہیں۔

ان اقوال کو نقل کرنے سے مقصود محض یہ دکھانا ہے کہ قربانی کی جگہ جو مورہ کے نام سے موسوم ہے، اس کی تعیین کے بارہ میں ان لوگوں میں سخت اختلاف ہے۔ ایک گروہ نے تو سرے سے اس نام ہی کو غائب کر دیا ہے۔ اور اونچے بلوط' یا نمایاں سرزمین' یا ارض رویا' سے اس کا ترجمہ کر دیا ہے۔ ایک جماعت نے نام کو تو باقی رکھا ہے لیکن اس کے تلفظ میں طرح طرح کی تحریفات کر دی ہیں۔ مثلاً مورہ، مریاہ، موریاہ اور یہ حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ کرنے کی ان کی وہی خصوصیت ہے جس کی طرف قرآن مجید نے اشارہ کیا ہے۔

يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَلْبِسُونَ ٱلْحَقَّ بِٱلْبَٰطِلِ وَتَكْتُمُونَ ٱلْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (آل عمران - ۷۱)	اے اہل کتاب کیوں حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ کرتے ہو اور حق کو چھپاتے ہو درآنحالیکہ تم جانتے ہو۔

اب ذیل میں ہم اس پر مفصل بحث کر کے بتانا چاہتے ہیں کہ اس مقام کا اصلی نام کیا ہے اور اس سے کون سی جگہ مراد ہے۔

۱۔ اس میں ذرا شبہ نہیں کہ اصل لفظ مروہ ہے (میم اصلی ہے اور 'ر' واو' پر مقدم ہے) مروہ چکنے اور چمکدار پتھر کو کہتے ہیں۔ کلام عرب میں یہ لفظ بہت آیا ہے۔

جن مترجمین نے اس کا ترجمہ نمایاں'، رویا' اور بلند' وغیرہ کیا ہے، ان کے ترجموں سے کم از کم اتنی بات تو ضرور ثابت ہوتی ہے کہ وہ اس لفظ کو مورہ وغیرہ نہیں پڑھتے تھے، جیسا کہ تحریف کرنے والوں نے اس کو بدلا ہے۔ کیونکہ مورہ کے اشتقاق کے بارہ میں یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کی اصل یا تو (یرا) ہے یا (یرہ) یرا کے معنی خوف اور تعجب کے ہیں، پس مورہ کے معنی خوف یا سبب خوف کے ہوں گے۔ یرہ کے معنی رمی (تیر اندازی) اور سقی (سیرابی) کے آتے ہیں اور اس مادہ کے لحاظ سے مورہ کے معنی تیر انداز، اولین بارش اور استاد کے آتے ہیں۔ پس اگر یہ لفظ اصل میں مورہ ہوتا جیسا کہ یہ تحریف کرنے والے کہتے ہیں تو ابتدائی مترجمین اس کا ترجمہ نمایاں'، رویا' اور بلند' وغیرہ نہ کرتے۔ صاف واضح ہے کہ ان کو یہ لفظ مروہ' کی صورت میں ملا تھا لیکن چونکہ اس کا مادہ ان کے لغت میں موجود نہ تھا اس لیے ان کو گمان ہوا کہ یہ مراۃ' ہے۔ کیونکہ عبرانی میں واؤ، الف سے اکثر بدل جایا کرتا ہے۔ پس اس کو انھوں نے اپنی زبان کے قواعد کے مطابق راٰۃ سے مشتق سمجھ لیا اور راٰہ' کے معنی ان کی زبان میں رویۃ اور نظر وغیرہ کے آتے ہیں۔ پس اس اشتقاق کے لحاظ سے انھوں نے اس کے معنی نظر، نمایاں اور رویا وغیرہ کے قرار دے لیے۔ الغرض یا تو ان کو یہ لفظ مروہ کی صورت میں ملا تھا یا مراۃ کی۔ دوسری شکلیں بعد کی گھڑی ہوئی ہیں۔

بعض مترجمین نے اس لفظ کا ترجمہ نہیں کیا ہے، بلکہ اس کی مختلف صورتوں کو باقی رکھا ہے۔ اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا

ہوتا ہے کہ وہ واؤ کو اصل مادہ کا جز قرار دیتے ہیں اور میم کو لفظ کے شروع میں اصل میم کی حیثیت سے باقی رکھنے پر متفق ہیں اور اگر اصل لفظ اور اس کی مختلف متغیر شدہ صورتوں میں مقابلہ کیا جائے تو یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اصل لفظ صرف مروہ ہو سکتا ہے، اس کے سوا کوئی دوسری شکل ممکن نہیں ہے۔

اختلاف کی وجہ زیادہ تر یہ ہوئی کہ اصل عبرانی میں حرکات کی علامتیں نہ تھیں۔ یہ متاخرین کی ایجاد ہے۔ پھر ان میں حفاظ بھی نہ تھے، جو صحیح قرات کو محفوظ رکھتے۔ ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے حرکت کو حرف کی اور حرف کو حرکت کی صورت میں بدل کر تحریف و تغیر کا ایک وسیع دروازہ کھول دیا۔

یہ لفظ بھی ابتدا میں حرکات سے بالکل مجرد لیکن بیان قرات کے ساتھ لکھا گیا ہوگا اور یہ معلوم ہے کہ تحریف کے شوق کی وجہ سے یہود قرات میں مد و تشدید کے اضافہ کے معاملہ میں بہت بے باک تھے تاکہ بعد میں آنے والوں کے لیے تبدیلی اور تحریف کے دروازے برابر کھلے رہیں۔

اب اس لفظ کی اصل صورت اور اس کی تبدیل شدہ صورتوں پر غور کرو۔

اصل لفظ	تبدیل شدہ صورتیں	لفظ کی مختلف قراتیں
(۱) מרוה مروہ	מריה (مریہ)	مُریّاہ
(۲)	מוריה (موریہ)	موریاہ
(۳)	מורה (مورہ)	(مُورہ)

اب ان تبدیلیوں پر غور کرنا چاہیے جو ان میں واقع ہوئی ہیں۔ پہلی صورت (مریہ) میں یہ ہوا کہ واؤ عبرانی میں اکثر ی سے بدل جاتا ہے۔ مثلاً גוי (جول) גיל (جیل) بمعنی جولان۔ نیز אחוה (اخوہ) اور הוה (اخیہ) بمعنی آفت۔ اور یہ دراصل حائے حطی سے تھا لیکن چونکہ ان کے یہاں حائے حطی نہ تھی اس لیے ان لوگوں نے اسے خے سے بدل دیا اور یہی وجہ ہے کہ اس لفظ کو وہ ہائے ہوز سے ہی لکھتے ہیں۔ جو مادے عربی اور عبرانی میں مشترک ہیں۔ ان میں اکثر دیکھو گے کہ جہاں عربی میں واؤ ہے وہاں عبرانی میں ی ہو گئی ہے۔ مثلاً دلو اور دلی۔ بالخصوص الفاظ کے شروع میں تو یہ بات بہت عام ہے مثلاً ولد، یلد، ورد، دقر، یقر، وعظ، یعظ۔ اور یہ بات یا تو سہولت کی وجہ سے ہے یا اس مشابہت کی وجہ سے ہے، جو عبرانی رسم الخط میں واؤ اور ی میں ہے اور جس کو تم اوپر دیکھ چکے ہو۔

دوسری صورت (موریہ) میں یہ تغیر ہوا کہ انھوں نے سمجھا میم پر ضمہ ہے۔ پھر اس کو انھوں نے ایک مستقل حرف قرار دے دیا، اور یہ بات عبرانی الفاظ میں بہت عام ہے مثلاً [illegible] (ایاز) اور [illegible] (یاور) نیل اور رکام کے معنی میں۔ نیز [illegible] (دیتر) اور [illegible] (دیُتر) بمعنی زیادتی۔ اسی اصول پر انھوں نے مریہ کو موریہ کر دیا۔

تیسری صورت (مورہ) میں واؤ کو ر پر مقدم کر دیا ہے۔ اور اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو اس عام طریقۂ قلب و تغیر کی وجہ سے جس کے وہ عربی الفاظ کے باب میں عادی ہیں مثلاً جرد سے جور۔ حفی سے کیف۔ علو سے لیل۔ کبس سے کلس۔ اسی طریقہ پر مروہ کو الٹ کر مورہ کر دیا۔ یا اس تشابہ کی وجہ سے جو دونوں حرفوں ו اور ר یعنی واؤ اور ر میں ہے۔

تصحیف ہو گئی ہو۔ اور اس طرح پُر مُردہ (مورہ) بن گیا ہو۔

ہمارے نزدیک یہ دوسری وجہ مستبعد نہیں ہے۔ جو شخص بالارادہ یا بے ارادہ تحریف کرنا چاہے اس کے لیے اس طرح کا اشتباہ نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اس قسم کے اشتباہ کی مثالیں ان کی زبان پر بہت ملتی ہیں۔ مثلاً لفظ برص کو ان لوگوں نے بوص کر دیا اور اس کی وجہ محض یہ ہے کہ واؤ اور رس کی کتابت ان کی زبان میں بالکل ملتی جلتی ہوئی ہے۔

۲- اب صرف اس سوال پر غور کرنا باقی رہ گیا کہ اس سے مراد کون سا مقام ہے؟ فصل کے آغاز میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ عام یہود اس سے وہ مقام مراد لیتے ہیں جہاں ہیکل سلیمانی واقع ہے، اور نصاریٰ مدعی ہیں کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں قبر مقدس کا کنیسہ ہے۔ لیکن ان کے علماء اور محققین نے خود ان دعاوی کی لغویت واضح کر دی ہے۔ اس لیے ہم کو ان کی تردید میں وقت صرف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ رہ گیا اشتائن کا قول کہ یہ مقام کوہ جرزیم پر ہے تو اس کی حیثیت محض ایک قیاس کی ہے۔ چونکہ اس پہاڑ کی شکل ایک بلند تخت کے مانند ہے اس لیے اشتائن کو یہ قربان گاہ کے لیے نہایت موزوں معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ محض اتنی بات اس بحث کو طے کرنے کے لیے بالکل ناکافی ہے۔ اس لیے اس کا قول بالکل ناقابلِ توجہ ہے۔ نصاریٰ اور یہود میں سے ایک شخص بھی اشتائن کا ہم خیال نہیں ہے۔

ہمارے نزدیک یہ وہی مقام ہے جو بنی اسماعیل کے مسکن میں پایا جاتا ہے اور ابتدا سے مروہ کے نام سے مشہور ہے اور یہود کے صحیفوں سے بھی ہمارے اس دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔ قضاۃ (۷: ۱) میں ہے:-

"اور مدیانیوں کی لشکرگاہ ان کے شمال کی طرف کوہ مورہ کے متصل وادی میں تھی۔"

اس سے معلوم ہوا کہ مورہ کی پہاڑی مدیانیوں کی لشکرگاہ تھی۔ اور یہ پوری قطعیت کے ساتھ معلوم ہے کہ 'مدیانیوں' سے مراد عرب ہیں۔ مدیان کا لفظ عربوں اور ان کی سرزمین کے لیے نہایت معروف ہے۔

صحف یہود میں اس کی تصریح ملتی ہے کہ مدیان سے مراد اسماعیل ہیں۔ مشہور انگریز مترجم قرآن سیل لکھتا ہے:-

"مدیان حجاز کے شہروں میں تھا۔ یہ سینا کے جنوب مشرق میں بحر قلزم پر واقع تھا۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ یہ وہی مقام ہے جس کو بطلیموس نے مودیانہ کے نام سے ذکر کیا ہے۔"

قضاۃ (۸: ۲۲-۲۴) میں ہے:-

"تب بنی اسرائیل نے جدعون سے کہا کہ تو ہم پر حکومت کر۔ تو اور تیرا بیٹا اور تیرا پوتا بھی۔ کیونکہ تو نے ہم کو مدیانیوں کے ہاتھ سے چھڑایا۔ تب جدعون نے ان سے کہا کہ نہ میں تم پر حکومت کروں اور نہ میرا بیٹا۔ بلکہ خداوند ہی تم پر حکومت کرے گا۔ اور جدعون نے ان سے کہا کہ میں تم سے یہ عرض کرتا ہوں کہ تم میں سے ہر شخص اپنی لوٹ کی بالیاں مجھے دے دے۔ (یہ لوگ اسماعیلی تھے اس لیے ان کے پاس سونے کی بالیاں تھیں)"

پیدائش (۳۷: ۲۵) میں ہے:-

"اور وہ کھانا کھانے بیٹھے اور آنکھ اٹھائی تو دیکھا کہ اسمٰعیلیوں کا ایک قافلہ جلعاد سے آ رہا ہے اور گرم مصالحہ اور روغن بلسان اور مرا اونٹوں پر لادے ہوئے مصر کو لیے جا رہا ہے۔ تب یہوداہ نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ اگر ہم

> اپنے بھائی کو مار ڈالیں اور اس کا خون چھپائیں تو کیا نفع ہوگا۔ آؤ اسے (یوسف کو) اسماعیلیوں کے ہاتھ بیچ ڈالیں کہ ہمارا ہاتھ اس پر نہ اٹھے۔ کیونکہ وہ ہمارا بھائی اور ہمارا خون ہے۔ اس کے بھائیوں نے اس کی بات مان لی۔ پھر وہ مدیانی سوداگر ادھر سے گزرے تب انھوں نے یوسف کو کھینچ کر گڑھے سے باہر نکالا اور اسے اسماعیلیوں کے ہاتھ بیس روپے کو بیچ ڈالا اور وہ یوسف کو مصر لے گئے"۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مورہ مدیان کے مسکن میں واقع ہے۔ اور مدیان بنی اسمٰعیل کو کہتے ہیں اور ارض مدیان حجاز میں بحر قلزم کے ساحل پر ہے۔

اوپر گزر چکا ہے کہ مورہ درحقیقت مروہ کی تحریف ہے اور محققین توریت اعتراف کرتے ہیں کہ شام میں جہاں بنی اسرائیل آباد تھے اس نام کا کوئی مقام نہیں ہے۔ یہود نے خود یہ نام اپنے صحیفوں میں داخل کیا، اور پھر خود ہی اس کا ایک ذہنی مسمّیٰ ٹھہرایا جس کو تسلیم کرنے سے خود ان کے محققین نے صاف انکار کر دیا اور علاوہ ازیں خود ان کے صحیفوں کے بیانات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ مروہ حجاز میں ہے جہاں بنی اسمٰعیل آباد تھے۔

ان واضح دلائل کے بعد ان کے اس دعویٰ کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے کہ مروہ جبل یروشلم پر ہے؟ البتہ اس امر میں ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ یہ بنی اسماعیل کے مسکن میں واقع ہے۔ اور ان کے مشہور مقامات میں سے ہے جس کو وہ اچھی طرح جانتے پہچانتے تھے اور حج میں اس کا طواف کرتے تھے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جہاں قرآن نے اس مقام کے طواف کا حکم دیا ہے وہاں اس کی تعریف کی ضرورت نہیں سمجھی صرف یہ فرمایا کہ یہ اللہ کے شعائر میں سے ہے اور ساتھ ہی اس امر کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ اہل کتاب نے اس میں تحریف کر دی تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پوری وضاحت کے باوجود انھوں نے اپنی طرف سے اس کو چھپانے کی کوشش کی۔ قرآن مجید کے ان بیانات کی تفصیل باب دوم میں آئے گی۔

حدیث صحیح میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مروہ کے پاس قربانی کے جانوروں کو کھڑے دیکھا تو مروہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ "ھذا المنحر وکل فجاج مکۃ منحر وطرقھا منحر" یعنی یہ اصل قربان گاہ ہے اور مکہ کے تمام راستے قربانی کی جگہ ہیں۔ ایک مرتبہ منیٰ کی بابت ارشاد فرمایا کہ "ھو منحر" یعنی یہ قربانی کی ایک جگہ ہے"۔ حضور کے الفاظ پر غور کرو۔ آپ مروہ کی نسبت "المنحر" کا لفظ فرماتے ہیں۔ یعنی "اصل قربان گاہ" اور دوسرے مقامات کی بابت تنکیر کے ساتھ صرف "منحر" کا لفظ استعمال فرماتے ہیں یعنی یہ بھی قربانی کی جگہیں ہیں۔ ہمارے دعوے پر قرآن مجید کے ایک اور پہلو سے بھی روشنی پڑتی ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قربانی کے جانوروں کے باب میں حکم دیا ہے کہ ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ (پھر ان کو قدیم گھر کی طرف لے جانا) نیز فرمایا هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ، یعنی قربانی کے جانوروں کو کعبہ کے پاس پہنچانا چاہیے۔ کیونکہ ان کے ذبح ہونے کی جگہ اسی بیت قدیم کے پہلو میں ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کے لیے سب سے پہلے بنایا۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر اس کی تصریح کر دی۔ (آل عمران۔ آیت ۹۶)

مروہ خانہ کعبہ کے پہلو میں واقع ہے اور وہی پہلی قربان گاہ ہے لیکن بعد میں جب امت کا دائرہ وسیع ہوا تو قربانگاہ کے دائرہ میں بھی وسعت کر دی گئی۔ اہل کتاب میں اور ہم میں یہ امر متفق علیہ ہے کہ ابراہیمی قربان گاہ بیت اللہ کے پاس ہے

جیسا کہ پیدائش (۱۲: ۶۔۹) میں ہے ۔

یہ حالات و واقعات جو قصۂ ذبح میں بیان ہوئے ہیں مروہ ہی پر منطبق ہوتے ہیں نہ کہ ہیکل والے پہاڑ پر جس کا نام وہ محض کتمانِ حق اور بحث و جدال کی خاطر موریا ، مورہ اور مُریّا بتاتے ہیں ، اور اس کا اعتراف خود ان کو بھی ہے ۔ ان حالات کے تطابق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرق کی جانب سے آئے اپنے دونوں غلاموں کو پاس کے ایک پہاڑ پر چھوڑ دیا اور اپنے اکلوتے بیٹے اسمٰعیل کو لے کر لبیک کہتے ہوئے مستعدی کے ساتھ مروہ کی طرف گئے ۔ واقعۂ ذبح کی ایک دوسری روایت بیان کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مورہ کی طرف سفر بھی بیان ہوا ہے لیکن اس میں صرف سفر ہی کا واقعہ بیان ہوا ہے ۔ ذبح کا واقعہ حذف کر دیا گیا ہے ۔ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کا مسکن صفا کی جانب تھا (سفر تکوین ۱۱،۱۰)

یہ گوناگون اسباب ہیں جن کی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے لے کر آج تک صفا و مروہ کے متعلق بعض روایات اور مناسک بنی اسمٰعیل میں قائم ہیں لیکن یہود و نصاریٰ کے یہاں ہم ان مناسک کا کوئی نشان نہیں پاتے ۔ اس امر کی تفصیل ہم ان شاء اللہ چودھویں فصل میں کریں گے ۔

پانچویں دلیل

قربان ہونے کے اصلی حق دار حضرت اسمٰعیل تھے

۹۔ تورات میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ حضرت اسمٰعیل اپنے باپ کے پہلوٹھے بیٹے تھے اور حضرت آدم سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک خداوندی شریعت کا یہ مسلم حکم رہا ہے کہ قربانی صرف پہلوٹھے بچہ ہی کی ہو سکتی ہے اور پہلوٹھے ہونے کی فضیلت ایسی فضیلت تھی جس کو کوئی چیز بھی باطل نہیں کر سکتی تھی ۔ دلائل کی تفصیل فصل ثانی (د۔ ۷) میں گزر چکی ہے ایسی صورت میں یہ کیسے خیال کیا جا سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کو اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں کامل بننے کا حکم دیا تھا ، ایک معاملہ میں چوک جائیں جو ان کے روحانی عروج و کمال کا اصل زینہ ہے ۔ اور شریعت کے قدیم ترین حکم سے اغماض کر کے اپنے پہلوٹھے بیٹے کو خدا سے دریغ رکھیں اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو قربان کریں ۔ جن کی ولادت کے لیے نہ صرف یہ کہ انھوں نے دعا نہیں کی بلکہ جس وقت ان کی ولادت کی بشارت ان کو ملی ہے وہ یہ فقرہ فرماتے ہیں جس سے مترشح ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل کو پا کر وہ ہر خواہش سے بے نیاز ہو چکے ہیں [illegible] کے لیے بھی یہ بات باور کی جا سکتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا کی بارگاہ میں ایک ایسی چیز پیش کریں گے جس سے اعلیٰ اور زیادہ محبوب چیز ان کے پاس موجود ہے ۔ درآنحالیکہ ہر قربانی کرنے والے کی سب سے پہلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس کی قربانی خدا کی پسند اور اس کے حکم کے زیادہ سے زیادہ مطابق ہو ۔

چھٹی دلیل

حضرت اسحٰقؑ کے لیے کثرت ذریت کی بشارت اس سے مانع ہے کہ وہ قربان ہوں

۱۰۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحٰق کی نسل میں برکت کی خوشخبری اللہ تعالیٰ نے اسی وقت دی، جس وقت ان کی ولادت کی خوشخبری سنائی، برعکس اس کے حضرت اسمٰعیل کی نسل میں برکت کی خوشخبری یا تو حضرت اسحاق کی بشارت کے بعد دی ہے یا زیادہ سے زیادہ اسی وقت۔ کتاب پیدائش (۱۷: ۱۹۔ ۲۰) میں ہے:۔

"تب خداوند نے فرمایا کہ بے شک تیری بیوی سارہ کے تجھ سے بیٹا ہوگا تو اس کا نام اضحاق رکھنا اور میں اس سے اور پھر اس کی اولاد سے اپنا عہد جو ابدی عہد ہے باندھوں گا اور اسمٰعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سنی دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا۔"

کیا یہ ممکن ہے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحاق کی ذریت کی کثرت کی خوشخبری سنائے اور دوسری طرف ان کو ذبح کرنے کا حکم دے دے۔ پھر یہ بات اپنی جگہ پر پوری قطعیت کے ساتھ ثابت ہے کہ اس وقت حضرت اسحاق کم سن تھے انھوں نے نکاح نہیں کیا تھا۔ انھوں نے نکاح اس وقت کیا ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نہایت بوڑھے ہو چکے تھے (دیکھو کتاب پیدائش باب ۲۴ [1]) اور ان کے اولاد یا تو اس وقت ہوئی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ جیسا کہ پیدائش (۲۵: ۱۱) میں ہے۔

"اور ابرہام کی وفات کے بعد خدا نے اس کے بیٹے اضحاق کو برکت بخشی۔"

یا اس وقت جب کہ ان کی عمر بالکل آخر ہو چکی ہے۔ چنانچہ پیدائش (۲۵: ۷) میں ہے:۔

"اور ابرہام کی کل عمر جب تک کہ وہ جیتا رہا ایک سو پچھتر برس کی ہوئی۔"

پھر اسی باب کی آیت ۲۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسو اور یعقوب کی ولادت کے وقت حضرت اسحاق ۶۰ برس کے تھے [2]۔ اس حساب سے حضرت یعقوب اس وقت پیدا ہوئے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر کے صرف پندرہ برس باقی رہ گئے تھے۔ اول تو یہ تناقض ہی ایک عجیب و غریب چیز ہے لیکن اگر تناقض کو تورات کی ایک عام اور روز مرہ بات خیال کر کے نظر انداز کر دیا جائے تو اتنا تو بہر حال مسلم ہے کہ حضرت اسحاق بڑھاپے کو پہنچ کر صاحب اولاد ہوئے ہیں اور تورات و قرآن کی تصریحات کے مطابق

---

[1] اور ابرہام ضعیف اور عمر رسیدہ ہوا اور خداوند نے سب باتوں میں ابرہام کو برکت بخشی تھی۔ اور ابرہام نے اپنے گھر کے سال خوردہ نوکر سے جو اس کی سب چیزوں کا مختار تھا کہا تو اپنا ہاتھ ذرا میری ران کے نیچے رکھ کہ میں تجھ سے خداوند کی، جو زمین و آسمان کا خداوند ہے، قسم لوں کہ تو کنعانیوں کی بیٹیوں میں سے، جن میں میں رہتا ہوں، کسی کو میرے بیٹے سے نہ بیاہے گا، بلکہ تو میرے وطن میں میرے رشتہ داروں کے پاس جا کر میرے بیٹے اضحاق کے لیے بیوی لائے گا (پیدائش ۲۴: ۱۔ ۵) مترجم

[2] جب وہ (یعقوب) ربقہ سے پیدا ہوا تو اضحاق ساٹھ برس کا تھا۔ (پیدائش ۲۵: ۲۶)

یہ امر فریقین میں مسلم ہے کہ قربان ہونے والا جو بھی ہو نوخیز اور نو عمر تھا۔ پس یہ کہنے کی ذرا بھی گنجائش نہیں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسحاقؑ کی قربانی صاحب اولاد ہونے کے بعد کی ہوگی۔

اگر یہ کہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ بات معلوم تھی کہ ذبح ہونے کے بعد اسحٰق کی ذریت میں برکت ہوگی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم تھا کہ وہ اپنی جس اولاد کو خدا کی راہ میں قربان کریں گے وہ مرے گی نہیں بلکہ زندہ رہے گی اور اس کے بعد اس کی اولاد خوب پھلے گی پھولے گی تو اس میں ان کی آزمائش کیا ہوئی یہ تو ایک مذاق ہوا۔

تم کہو گے اگر یہ بات ہے تو یہ اشکال تو حضرت اسمٰعیلؑ کے بارہ میں بھی پیش آتا ہے، کیونکہ وہ بھی ابھی کم سن ہی تھے، ان کی ذریت کی کثرت کی خوشخبری اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہؑ کو دی۔ لیکن یاد رکھو یہ خوش خبری حضرت ہاجرہؑ کو دی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کو نہیں دی تھی اور یہ معلوم ہے کہ ذبح کا حکم حضرت ابراہیمؑ کو دیا گیا حضرت ہاجرہؑ کو نہیں دیا گیا۔ ہاں اگر بشارت کے بعد ذبح کا حکم بھی حضرت ہاجرہؑ ہی کو دیا گیا ہوتا تو لاریب یہ اعتراض پڑتا اور اس کا جواب مشکل ہوتا۔ اس کے برعکس حضرت اسحاقؑ کے بارہ میں ایک طرف تو تم یہ تسلیم کرتے ہو کہ ان کی پیدائش سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری دی کہ "میں اسحاق سے تیری ذریت بڑھاؤں گا" اور دوسری طرف یہ بھی تسلیم کرتے ہو کہ جب پیدا ہوئے تو کم سنی ہی میں کہ ابھی بالغ نہیں ہوئے، شادی نہیں کی، کوئی اولاد نہیں ہوئی، ان کے ذبح کا حکم دے دیا۔ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ۔

ساتویں دلیل

قربانی کا واقعہ حضرت اسحاقؑ کی ولادت سے پہلے پیش آیا

۱۱۔ دوسری دلیل کے ضمن میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ قربانی کا واقعہ حضرت اسحاقؑ کی ولادت سے پہلے پیش آچکا ہے اور اس پر ہم نے جو دلیل قائم کی ہے وہ ناقابلِ تردید ہے۔ یہاں ہم ایک قدم اور آگے بڑھ کر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت اسحاقؑ کا ذبیح ہونا تو درکنار خود ان کی ولادت حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کی برکتوں میں سے ایک برکت ہے۔

کتاب پیدائش کے سترھویں باب میں جس میں حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ کی اولاد میں برکت و کثرت کا ذکر ہے، بہت سی اہم باتیں بیان ہوئی ہیں اور ہم پورے اطمینان کے ساتھ محسوس کرتے ہیں کہ اس میں حضرت ابراہیمؑ کی قربانی کے واقعہ کی طرف بھی اشارہ ہے اور سب سے زیادہ خاص بات یہ ہے کہ اس میں بعض واقعات تعیین زمانہ کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ جس سے ہم کو بعض ایسے مسائل کے استنباط میں رہنمائی حاصل ہو رہی ہے جو ہمارے موضوع سے نہایت قریب کا تعلق رکھتے ہیں۔

اس باب میں بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ وہ کمالِ اطاعت کی راہ اختیار کریں۔ اس وقت ان کی عمر ۹۹ برس کی تھی، اور حضرت اسحاقؑ ہنوز پیدا نہیں ہوئے تھے، اسی زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے ختنہ کا حکم نازل کیا چنانچہ ایک ہی دن حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے اس حکم کی تعمیل کی۔ حضرت اسماعیلؑ اس وقت تیرہ سال کے تھے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ ایک ابدی عہد باندھا۔ اور ختنہ کو اس ابدی عہد اور ان کی امت کا شعار قرار دیا۔ نیز حضرت اسمٰعیل

کی ذریت کی کثرت اور حضرت اسحاق کی ولادت اور ان کی اولاد میں برکت کی خوشخبری دی۔ یہ باتیں تورات کے مذکورہ باب میں بیان ہوئی ہیں ان کو پیش نظر رکھو اور اس کے بعد ہمارے استنباط پر غور کرو۔

ہم کہتے ہیں کہ کمال اطاعت کا حکم، عظیم الشان برکات کا وعدہ، اور ایک ابدی عہد کا قیام یہ ایسے عظیم الشان امور ہیں کہ ان کے متعلق یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی کہ ان کو محض ختنہ کی رسم کے ساتھ وابستہ کر دیا جائے۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ بیان کوئی اور بڑی بات ہوگی جس کا ذکر علمائے یہود نے حذف کر دیا ہے۔ یہ بڑی بات یہی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالے نے ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسماعیل کی قربانی کا حکم دے کر جانچا اور جب وہ اس امتحان میں پورے اترے تو ان کو برکت اور حضرت اسحاق کی ولادت کی بشارت دی واقعہ کی اصل حقیقت یہ تھی۔ لیکن یہود نے اس پر پردہ ڈال دیا۔ اس روشنی میں یہ بات صاف کھل جاتی ہے کہ حضرت اسحاقؑ کی ولادت منجملہ ان برکات کے ہے جو حضرت اسمٰعیل کی قربانی سے ظہور میں آئیں۔

اس کی مزید توضیح ان تصریحات سے ہوتی ہے جو واقعہ ذبح کے سلسلہ میں ہم معلوم کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ برکت اس لیے دی کہ انھوں نے اپنے اکلوتے بیٹے کو خدا سے دریغ نہیں رکھا۔ پھر یہ بات بھی ذہن میں رکھو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس بیٹے کو قربان کیا اس کے لیے کثرت ذریت کی بشارت اس وقت تک نہیں آتی جب تک وہ اس امتحان سے فارغ نہیں ہو جاتے۔ چنانچہ بشارت کے الفاظ یہ ہیں۔

"اب میں اس کو برکت دوں گا اور خوب بڑھاؤں گا۔"

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت اسماعیل کا برکت پانا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ابتلاء کمال اطاعت کا حکم اور ایک ابدی عہد کا قیام، یہ ساری باتیں ایک ہی زنجیر کی کڑیاں اور ایک ہی زمانہ کے واقعات ہیں اور یہی زمانہ ہے جس میں حضرت اسحاق کی ولادت کی بشارت ملی ہے۔ پھر سوچو کہ جب حضرت اسحاق ہنوز پیدا بھی نہیں ہوئے تو آخر قربان کیسے ہو گئے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت سے خود واضح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی کر کے کمال اطاعت و اسلام کا جو عظیم الشان نمونہ پیش کیا، حضرت اسحاقؑ کی ولادت اسی قربانی کا نتیجہ اور ثمرہ ہے۔ اس قربانی کی اصل حقیقت یہ تھی کہ حضرت اسماعیل کو خداوند کی نذر کر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور فرمایا "کاش اسمٰعیل تیرے حضور جیتا رہے۔" اس جملہ کا مطلب حرف ح فصل ۲ میں ہم بیان کر چکے ہیں اور مزید تفصیل تیرھویں فصل میں ملے گی۔

حضرت اسماعیل کا سن اس وقت تیرہ برس کا تھا۔ یہ سن بچے کی زندگی میں بجائے خود ایک بہترین دور ہے اور اگر اس کے ساتھ ظاہری و باطنی پاکی و پاکیزگی کی تمام خوبیاں بھی جمع ہو جائیں تو سبحان اللہ۔ ایسے فرزند سعید کی قدر و قیمت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ یہ زمانہ ہوگا کہ عقل و رشد کی کرنیں پیشانی سے نمودار ہو رہی ہوں گی۔ باپ کے دل میں گھسنے اور نگاہوں میں کھبنے کے لیے وہ تمام خوبیوں سے آراستہ ہو چکے ہوں گے حسن تہذیب و ادب کی تمام دلربائیوں کے ساتھ باپ کے چھوٹے بڑے کاموں میں شریک ہوتے ہوں گے۔ ان حالات میں کون کہہ سکتا ہے کہ باپ کو خود اپنی جان سے زیادہ پیارے نہ ہوں گے۔ پس یقیناً ایسے محبوب بیٹے کی قربانی کا حکم دینا ایک ابتلائے عظیم ہے اور چونکہ اس امتحان میں حضرت ابراہیمؑ کامیاب

رہے اس لیے مستحق ٹھہرے کہ ایک عہد ابدی کی عزت جاوداں اور دوسری بے شمار برکتوں اور سعادتوں سے سرفراز ہوں۔ نہ یہ کہ محض ختنہ کی ایک رسم پر عمل کرکے وہ یہ سب کچھ پا گئے، یہ بات بالکل بے معنی معلوم ہوتی ہے اور افسوس ہے کہ جو لوگ حق سے منہ موڑتے ہیں وہ ایسے ہی گڑھوں میں گرتے ہیں۔

آٹھویں دلیل

حضرت اسمٰعیلؑ خداوند کی نذر تھے اور یہی قربانی کی حقیقت ہے

۱۴۔ چند باتیں بطور مقدمہ ذہن میں رکھو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا تمام مال و اثاثہ حضرت اسحاق علیہ السلام کو دیا اور اپنی لونڈیوں کے بیٹوں کو کچھ انعام وغیرہ دے کر ان کو اپنے بیٹے اسحاق کے پاس سے مشرق کے ملک میں بھیج دیا (پیدائش ۲۵: ۵-۶)[۱]

حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ کو زیادہ دور دور نہیں بھیجا بلکہ جب کہ ان کی وفات ہوئی ہے تو انہی لوگوں نے ان کو دفن کیا ہے۔ (پیدائش ۲۵: ۹)[۲]

ان مقدمات سے دو باتیں نہایت واضح معلوم ہوتی ہیں:۔

ا:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیلؑ کو اپنے سے یا حضرت اسحاقؑ سے زیادہ دور نہیں کیا تھا بلکہ گاہ گاہ دونوں بیٹے باپ کی ملاقات کو بھی آیا کرتے تھے۔ یہ بات ان کی لونڈیوں کے بیٹوں کو حاصل نہ تھی۔

ب۔ حضرت اسماعیلؑ کو حضرت اسحاقؑ کے ساتھ نہ تو میراث میں شریک کیا اور نہ جس طرح لونڈیوں کی اولاد کو انعام وغیرہ دیے اس طرح ان کو کوئی انعام و عطیہ بخشا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات سے یہ بات بہت بعید معلوم ہوتی ہے کہ وہ اپنے اسی بیٹے کو اپنی عنایت سے محروم کردیں جو آخر عمر تک ان سے جدا نہ ہوا اور جو ان کا پہلوٹھا بیٹا تھا درآنحالیکہ یہ معلوم ہے کہ پہلوٹھے ہونے کی فضیلت ایک ایسی فضیلت تھی کہ جس کو کوئی چیز باطل نہیں کرسکتی تھی۔ اس اشکال کا صرف ایک ہی جواب ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام درحقیقت خداوند کی نذر کردیے گئے تھے۔ یہ بات اپنی جگہ پر طے ہے (جیسا کہ حرف واو فصل ۶ میں ہم ثابت کرچکے ہیں) کہ جو شخص خدا کی نذر کردیا جاتا تھا میراث میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا۔ اس کا حصہ صرف خدا ہوتا تھا۔

اس سے ضمناً یہ بات بھی نکلی کہ انسان کو قربان کرنے کے معنی درحقیقت اس کو اللہ تعالیٰ کی نذر کردینا اور اس کے

---

[۱] اور ابرہام نے اپنا سب کچھ اضحاق کو دیا اور اپنی حرموں کے بیٹوں کو ابرہام نے بہت کچھ انعام دے کر اپنے جیتے جی ان کو اپنے بیٹے اضحاق کے پاس سے مشرق کی طرف یعنی مشرق کے ملک میں بھیج دیا (پیدائش ۲۵: ۵-۶) [۲] اور اس کے بیٹے اضحاق اور اسمٰعیل نے مکفیلہ کے غار میں، جو ممرے کے سامنے، حتی صحر کے بیٹے عفرون کے کھیت میں ہے اسے دفن کیا (پیدائش ۲۵-۹)

گھر کا خادم بنا دیتا ہے۔ حرف الف فصل ۷ میں ہم اس کی تشریح کر چکے ہیں۔

نویں دلیل

حضرت اسمٰعیل کے لیئے خداوند کے حضور کا لفظ آیا ہے اور یہی قربانی کی حقیقت ہے

۱۳۔ حضرت اسماعیل کا خداوند کی نذر ہونا بہت سی دلیلوں سے ثابت ہے۔ از انجملہ ایک واضح دلیل پیدائش (۱۷: ۱۰) میں ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق کی ولادت کی بشارت ملی تو انھوں نے فرمایا۔

"اور ابرہام نے خداوند سے کہا کاش اسمٰعیل ہی تیرے حضور جیتا رہے۔"

"تیرے حضور" یا "تیرے آگے" کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ وہ خداوند کی خدمت اور اس کے گھر کی چاکری کے لیے خاص کر دیے گئے تھے ورنہ یہ فرمانے کا کیا موقع تھا "تیرے حضور جیتا رہے گا"۔ اس کے معنی تو یہی معلوم ہوتے ہیں کہ وہ خداوند کے حضور میں حاضر باشی اور اس کے گھر کی خدمت کے لیے وقف تھے اور یہی قربانی کی اصل حقیقت ہے جیسا کہ حرف ح فصل ۲ میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

دسویں دلیل

شریعت یہود میں اس عظیم واقعہ کی کوئی نشانی نہیں ہے اور یہ ہماری ملت کی اساس ہے

۱۴۔ اگر حضرت اسحاق علیہ السلام قربان ہوئے ہوتے جیسا کہ یہود کا دعویٰ ہے تو ان کے مذہبی رسوم وعبادات میں اس عظیم الشان واقعہ کی کوئی یادگار ضرور محفوظ رہ جاتی۔ بالخصوص ایسی حالت میں کہ ان کی تمام تر عبادت قربانی اور نذر ہی سے عبارت ہے۔ بلکہ بغیر کسی شائبۂ مبالغہ کے یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ قربانی کے سوا ان کے ہاں کسی عبادت کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ انھوں نے اپنی بے شمار قربانیوں اور نذروں میں سے کسی نذر یا قربانی کو بھی اس ابراہیمی قربانی کی طرف منسوب نہیں کیا۔ تورات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قربانی یا تو قوم فرعون کے پہلوٹھوں کے واقعۂ ہلاکت کی یادگار ہے (خروج ۱۳: ۱۱-۱۶) یا فصح کی یادگار ہے۔ فصح کی یادگار یہودی سال کے پہلے مہینہ ابیب میں بطور عید منائی جاتی ہے اور یہ عید درحقیقت سرزمین مصر سے خروج کی یادگار ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ چوپایوں اور زمین کی پیداوار کے شکریہ کے طور پر بھی وہ قربانی کرتے تھے۔ لیکن پوری تورات میں اس کا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ ان کی کوئی قربانی حضرت اسحاق کے واقعۂ ذبح کی یادگار ہو۔ (تثنیہ ۱۶: ۱-۱۷)

اس کے بالکل برعکس حضرت اسماعیل کی ذریت میں جو مذہبی رسوم واعمال جاری ہوئے ان میں سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت اسی ابراہیمی قربانی کو حاصل ہوئی۔ چنانچہ عہد اسلام تک ان میں جو مراسم دینی پائے جاتے تھے ان سب میں اس

امر کی نہایت واضح شہادت موجود تھی مثلاً تلبیہ یعنی لبیک لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھنا واقعۂ قربانی سے ماخوذ ہے۔ اس کی تصدیق تورات سے بھی ہوتی ہے۔ تورات میں ہے کہ خداوند نے ابراہیم کا امتحان لیا اور پکارا کہ اے ابراہیم! حضرت ابراہیم نے جواب میں سات مرتبہ کہا "میں حاضر ہوں"۔ اسی طرح سعی کی رسم بھی اسی واقعۂ قربانی ہی کے ایک معاملہ کی ایک یادگار تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام صفا کی طرف سے آئے اور جوش اطاعت و بندگی میں پوری مستعدی اور سرگرمی سے مروہ کی طرف بڑھے۔ سعی اس معاملہ کی یادگار کی حیثیت سے ذریت اسماعیل میں محفوظ رہ گئی کیونکہ سعی عربی میں اس سرگرمی اور مستعدی کو کہتے ہیں جو بندہ اپنے آقا کی فرمانبرداری اور اطاعت اور اس کے حکموں کی تعمیل میں ظاہر کرتا ہے۔ ایک شاعر کا مصرعہ ہے۔

يسعى عليه العبد بالكوب

غلام اس کے سامنے شراب کے پیالے لے کر حاضر رہتے ہیں:

اسی حقیقت کا اعتراف ہم دعائے قنوت میں کرتے ہیں۔

واليك نسعى ونحفد — اور ہم تیری ہی طرف دوڑتے ہیں، تیری خدمت میں سرگرم ہیں۔

نیز قرآن مجید میں ہے:۔

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقَ — اور سدا رہنے والے لڑکے آبخورے اور صراحیاں لے کر ان پر چکر لگائیں گے۔

طواف کے سات پھیرے بھی اسی واقعۂ قربانی ہی سے ماخوذ تھے۔ چنانچہ نذر کے باب میں یہود کے ہاں بھی یہی رسم ہے کہ وہ خداوند کے حضور یعنی بیت اللہ کے سامنے ہلائی جاتی ہے۔ (احبار ۸: ۲۷) اور (۱۴: ۲۱-۲۴)

سر مونڈنا بھی اسی سلسلہ کا ایک معاملہ ہے۔ یہود کے ہاں ان مراسم میں سے صرف نذر کی قربانی کو ہلانے اور اس میں سر مونڈنے کی رسم موجود ہے۔ جیسا کہ گنتی (۶: ۵-۹) اور (۶: ۱۸) سے واضح ہوتا ہے۔ لیکن نذر کی قربانیاں صرف نفل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ البتہ قرآن مجید نے فریضۂ حج کی پوری تاکید فرمائی اور یہ واضح کیا کہ حج اور اس کے تمام مراسم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہیں اور یہ ملت حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے اس اسلام پر مبنی ہے جس کے امتحان میں وہ پورے اترے۔ نیز یہ بھی ظاہر فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی نے اپنی اس ذریت کے اندر جس کو مکہ کی سرزمین میں بسایا تھا ایک نبی مبعوث ہونے کی دعا فرمائی تھی اور اس کی امت کے لیے مسلم کا لقب پسند فرمایا تھا۔ ان کے سوا کچھ اور باتیں بھی بیان کی ہیں جن میں سے بعض کا ذکر خطبۂ کتاب میں ہو چکا ہے۔

الغرض یہود کے پاس حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی کوئی یادگار موجود نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں خانہ کعبہ کے حج اور وہاں نذر اور قربانی پیش کرنے سے متعلق جتنی باتیں تھیں، وہ سب انھوں نے مٹا ڈالیں۔ انھوں نے تمام عزت و شرف صرف بیت المقدس کے لیے مخصوص کر دیا۔ عیسائی بھی اس معاملہ میں بالکل ان ہی کے نقش قدم پر چلے۔ ان کی مشترکہ کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس عظیم الشان قربانی کے تمام آثار و نشانات سے یک قلم محروم ہو گئے۔ انھوں نے چاہا کہ

عزت و شرف کی جتنی باتیں ہیں سب صرف بیت المقدس کے لیے خاص ہو جائیں۔ لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ بیت المقدس کو اس واقعہ قربانی سے کوئی دور کا علاقہ بھی نہ تھا۔

یہود نے یہ تمام ردو بدل دراصل دوسروں کو نقصان پہنچانے کے لیے کیا لیکن اس سے اصل نقصان خود انھیں کو پہنچا۔ ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے لیے کسی بات پر جمنا مشکل ہو گیا وہ حیرانی اور تردد کی ایک مستقل کشمکش میں پڑ گئے۔ چنانچہ بعض حالتوں میں ان کو یہ تک اعتراف کرنا پڑا کہ قربانی کی کوئی اصل ہی نہیں ہے۔ یہ چیز موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے دین میں داخل ہو گئی ہے۔ حالانکہ ان کے تمام صحیفے صرف قربانی ہی کے ذکر سے لبریز ہیں۔ تورات میں اس ایک عبادت کے سوا کسی اور عبادت کا گویا ذکر ہی نہیں آتا۔ یہاں تک کہ نماز کا بھی کوئی پتہ نہیں چلتا۔ چنانچہ یہود کی ایک جماعت کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ نماز سرے سے فرض ہی نہیں ہے، یہ محض ایک نفل عبادت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کا حکم نہیں دیا ہے۔ اس فرقہ کے نزدیک اصل عبادت صرف قربانی ہے لیکن قربانی کا حال یہ ہے کہ وہ ہیکل کے سوا کہیں اور ہو ہی نہیں سکتی۔ دیکھو لاوی (۱۷: ۹) چنانچہ جو زمانے ان پر ایسے گزرے ہیں جن میں وہ ہیکل سے جبراً بے تعلق رہے ہیں ان زمانوں میں وہ اپنے دین سے بالکل ہی محروم رہے۔ کیونکہ نماز ان کے یہاں پہلے ہی مٹ چکی تھی اور قربانی کو بیت المقدس سے بے تعلقی نے مٹا دیا۔

اس اشکال سے بچنے کے لیے نصاریٰ نے یہ نکتہ پیدا کیا کہ ہم اس مادی ہیکل کی طرف نہیں متوجہ ہوتے بلکہ سماوی ہیکل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ لیکن یہ محض ان کی زبانی باتیں ہیں کیوں کہ ان کو خوب معلوم ہے کہ ان کے صحیفوں میں لکھا ہوا ہے کہ خداوند کی رحمت ان کو اسی ارضی ہیکل سے ملے گی اور اسی سے خداوند ان کی دعائیں اور فریادیں سنے گا۔ دیکھو سلاطین اول (۸: ۱۲-۵۳)

گیارھویں دلیل

یہود کو خانہ کعبہ کی طرف قربانی کرنے کا حکم دیا گیا

۵۱۔ تورات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کو شروع ہی سے یہ حکم ملا تھا کہ وہ اپنی بڑی قربانیوں کا قبلہ مکہ معظمہ کی سمت کو قرار دیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ قربانی کے لیے ضروری تھا کہ وہ معبد میں خداوند کے حضور پیش کی جائے۔ اور فصل دوم حرف ع میں ہم بتا چکے ہیں کہ جس قربانی کا نام ان کے ہاں قدس الاقداس تھا اس کا رخ جنوب کی سمت ہونا ضروری تھا۔ اسی طرح سالانہ قربانی جو ان کے ہاں سب سے بڑی قربانی خیال کی جاتی تھی۔ اس کا رخ بھی جانب جنوب ہوتا۔ یہود یا تو اس معاملہ کے اصلی راز سے بے خبر تھے جیسا کہ فصل دوم حرف ع میں ہم اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں یا انھوں نے بالقصد اس معاملہ کو کریدنا نہیں چاہا، بلکہ اپنی عادت کے مطابق چاہا کہ اس پر پردہ ہی پڑا رہے۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز

حالانکہ یہ بات پوری قطعیت کے ساتھ ثابت ہے کہ ان کے خیمۂ عبادت کا رخ ابتداء سے جانب شمال تھا دیکھو (سفر خروج، ۲۰: ۹)
"مسکن کا گھر جنوب کی جانب برکت حاصل کرنے کے رخ پر بنایا جائے۔"

نیز اس کتاب کے باب ۴۰ آیت ۲۱-۲۴ میں ہے:۔

"اور میز کو اس پردہ کے باہر مسکن کی شمالی سمت میں خیمۂ اجتماع کے اندر رکھا۔ اس پر خداوند کے روبرو روٹی سجا کر رکھی۔ جیسا کہ خداوند نے موسیٰ کو حکم کیا تھا۔ اور خیمۂ اجتماع کے اندر ہی میز کے سامنے مسکن کی جنوبی سمت میں شمعدان کو رکھا:

ہمارے نزدیک اس تمام ترتیب کا اصلی فلسفہ یہ ہے کہ جو شخص خداوند کے حضور آئے اس کا رخ جانب جنوب یعنی مکہ معظمہ اور ابراہیمی قربان گاہ کی طرف ہو۔ اس کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ خیمہ کے اندر مسکن مقدس بھی جنوب کی سمت میں تھا اور مذبح اس کے سامنے دروازہ کی طرف تھا اس لیے جو شخص وہ قربانی پیش کرتا جس کو قدس الاقداس کہتے ہیں وہ مذبح کے شمال جانب کھڑا ہوتا تاکہ اس کا رخ مسکن ربانی کی طرف ہو سکے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا رخ لازماً خانہ کعبہ کی طرف ہوتا جس کے پاس ہی مروہ ہے۔ جس کو اولین قربان گاہ ہونے کی عزت حاصل ہے اور جس کے پاس ہی مسکن اسماعیل بھی ہے۔

بارھویں دلیل

مسکن اسمٰعیلؑ تمام ذریت ابراہیم کا قبلہ تھا

۱۶۔ ہمارے مذکورہ دعاوی کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مسکن کو تمام ذریت ابراہیمؑ کا قبلہ قرار دیا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو عرب کے مشرق اور شمال میں آباد کیا اور ان کا قبلہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مسکن کو قرار دیا۔ چنانچہ تورات سے ثابت ہے کہ ان کو ان کے تمام بھائیوں کے آگے بسایا۔ پیدائش ۲۵-۱۸ میں ہے:۔

"اور اس کی اولاد حویلہ سے شور تک جو مصر کے سامنے اس راستہ پر ہے جس سے اسور کو جاتے ہیں آباد تھی۔ یہ لوگ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسے ہوئے تھے"

اور پیدائش ۱۶: ۱۲ میں ہے:۔

"وہ گورخر کی طرح آزاد مرد ہوگا۔ اس کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کے ہاتھ اس کے خلاف ہوں گے اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسا رہے گا:"

"سب بھائیوں کے سامنے بسنے" کی جو تاویل ہم نے کی ہے اس کے سوا اس کی کوئی دوسری صحیح تاویل ممکن نہیں کیونکہ معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تمام اولاد ماسوا بنی اسمٰعیل کے مشرق و شمال میں آباد ہوئی۔ پس حضرت اسماعیلؑ ان سب کے سامنے اسی وقت ہو سکتے ہیں جب یہ مانا جائے کہ ان کی بستی ان سب کے قبلہ کے سمت میں تھی اور اس کو مان لینا بہت اقرب ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سب کا امام بنایا تھا اور ان کے بعد اس امامت کے وارث حضرت اسماعیل علیہ السلام ہوئے۔ قرآن مجید نے بھی اس معاملہ کی طرف بعض اشارات کیے ہیں۔

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ — اور جب کہ جانچا ابراہیم کو اس کے خداوند نے چند باتوں میں

فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ۝ وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى۔

(بقرہ ۱۲۴ - ۱۲۵)

(ان باتوں میں سب سے اہم بیٹے کی قربانی کا حکم تھا) پس ابراہیم نے وہ پوری کر دکھائیں۔ فرمایا میں تم کو لوگوں کا امام بناؤں گا۔ پوچھا اور میری اولاد میں سے؟ فرمایا میرا عہد ظالموں سے متعلق نہیں۔ اور جب کہ ہم نے بنایا بیت اللہ کو لوگوں کا مرکز (یعنی مرجع جس کی طرف رخ کر سکیں) اور امن کی جگہ اور حکم دیا کہ بناؤ مسکن ابراہیم کو نماز کی جگہ۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مسکن کو تمام ذریت ابراہیم کی قربانیوں کا قبلہ قرار دینے کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم الشان قربان گاہ وہیں تھی۔

تیرھویں دلیل

خانہ کعبہ ہی حضرت ابراہیمؑ کی تعمیر اور ان کی قربان گاہ ہے

۱۷۔ تھوڑی دیر کے لیے ان تمام دلائل کو قطع نظر کر کے اگر تم صرف بیت اللہ کے جائے وقوع اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس بنیادی پر غور کرو گے جو منشا کہ ان کے حالات و اطوار سے ان کو رہی ہے اور جو ان کی پاک زندگی کی سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت ہے تو تم پر یہ حقیقت بالکل روشن ہو جائے گی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر صرف خانہ کعبہ ہو سکتا ہے نہ کہ بیت المقدس۔ اسی کو انھوں نے بنایا، اسی کو قبلہ قرار دیا، اسی کے پاس ان کی وہ مقدس قربان گاہ ہے جہاں انھوں نے اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسمٰعیل کی قربانی کی اور پھر اسی گھر کے جوار میں انھوں نے ان کو آباد کیا۔ اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے لیے ضروری ہے کہ بت پرستوں کی پہاڑیوں اور ٹیلوں کے متعلق ضمیمہ بائیبل کی مندرجہ ذیل عبارت کو پڑھ لو جو اس کے صفحہ ۱۶۴ و ۱۶۵ میں درج ہے:

"یہ پہاڑیاں یا تو بلند ٹیلے تھے یا اونچی چوٹیاں۔ ان کو عبادت کے لیے نذر پیش کرنے کی غرض سے اس عقیدہ کے ماتحت خاص کیا گیا تھا کہ یہ آسمان سے قریب ہیں۔ پس بخور سلگانے اور عبادت کے لیے بمقابلہ عام میدانوں اور وادیوں کے زیادہ مناسب ہیں باوجودیکہ موسیٰ کے صحیفوں میں عبادت کے قصد سے پہاڑیوں اور ٹیلوں پر جانے کی ممانعت تصریح کے ساتھ وارد تھی۔ لیکن حضرت سلیمان اور ان کے بعد کے زمانہ میں یہود میں پہاڑیوں اور ٹیلوں پر عبادت کرنے کا عام رواج ہوا اور یہ طریقہ حزقیاہ کے زمانہ میں پوری طرح مٹ سکا۔ اس زمانہ میں لوگوں نے اس طرح کے تمام ٹیلے گروا دیے کیونکہ یہ یہود کے عبادت خانے زیادہ جبل کے معبد سے اشبہ تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو جو تعلیم دی تھی اس کے منشا کے بالکل خلاف تھے۔"

اب اس روشنی میں بیت المقدس کی حالت پر غور کرو۔ اس کی تعمیر ایک بلند پہاڑی پر ہوئی اور زینت و آرائش اور ظاہری چمک دمک کے وہ تمام لوازم پورے اسراف کے ساتھ اس کے لیے فراہم کیے گئے تھے جو بت پرست قوموں میں مقبول تھے۔ خروج اور اخبار میں اس کی تعمیر سے متعلق تمام تفصیلات موجود ہیں۔ اس کے نقرئی و طلائی اسباب و سامان، بیش قیمت ظروف، حریر کے پردے،

کاہنوں کی مزرکش عبائیں، قیمتی پتھروں کی جگمگاہٹ، کروبیوں کی تصویریں، یہ سب چیزیں حضرت ابراہیمؑ کی بدویانہ اور فطری سادگی سے زیادہ بت پرست اقوام کے انداز مذاق سے مشابہ تھیں۔ پھر قربانیوں کا جلانا اور ان کی خوشبو کو خداوند کی ناک تک پہنچانے کا معاملہ تو اس دین قیم کی سادگی سے انتہائی حد تک بیگانہ تھا جس کو حضرت ابراہیمؑ لائے۔

ہاں، ایک دوسرا گھر ہے، اس کو دیکھو تو اس کے ہر گوشے اور ہر کونے میں ابراہیمی سادگی کا جمال فطرت ابھرا ہوا نظر آئے گا۔ وہ کون؟ بطحائے مکہ کا بیت الحرام۔ وہ بت پرستوں، آفتاب پرستوں اور ستارہ پرستوں کے معابد کے بالکل برعکس، نشیب زمین میں تعمیر ہوا اور گویا اپنی ہیئت ہی سے اس حقیقت کا اعلان کر رہا ہے کہ خدا کی قربت کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ انسان بلندیوں پہ چڑھ جائے بلکہ اس کی قربت زیادہ سے زیادہ جھک جانے اور پست ہو جانے میں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیلؑ کے مسکن و معبد کی جو خصوصیات بیان کی ہیں ان کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لیے سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ خود ان کی اس خصوصیت کو سمجھا جائے کہ ان کی زندگی کا ہر قول و فعل شرک سے بیزاری کا اعلان تھا اور تمام معاملات میں اہل شرک کے طریق و رسوم سے اختلاف ان کا اسوہ رہا۔ اور حقیقت ان کی مشہور دعا میں بھی جھلک رہی ہے۔

رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ	اے میرے رب میں نے اپنی بعض ذریت کو ایک وادی
زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا	غیر ذی زرع میں تیرے محترم گھر کے پاس بسایا ہے۔ اے ہمارے
الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ	رب تاکہ یہ نماز قائم کریں، پس تو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل
وَارۡزُقۡہُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ (ابراہیم ۳۰)	کر دے اور ان کو پھلوں کی روزی عنایت کر تاکہ یہ تیرے شکر گزار رہیں۔

ان دلائل کے علاوہ ایک اور امر بھی قابل غور ہے وہ یہ کہ یہ امر متفق علیہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربان گاہ "بیت ایل" (خداوند کے گھر) کے سامنے تھی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون سا بیت اللہ اس قربان گاہ کے سامنے تھا؟ کیا یہی جس کو حضرت سلیمانؑ نے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صدیوں بعد تعمیر کیا یا وہ بیت عتیق جس کے متعلق نہایت قدیم زمانے سے یہ بات معلوم و مشہور رہی ہے کہ تمام سرزمین عرب کا محترم مرکز تھا۔ اور حضرت اسماعیلؑ کی ذریت اس کو ہمیشہ اپنا قبلہ سمجھتی رہی!

ان ہی چند اہم باتوں پر ہم یہاں اکتفا کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ توریت میں اور بھی بہت سی دلیلیں موجود ہیں لیکن زیادہ تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ خود ان برکتوں سے ایک بہت بڑی دلیل لائی جا سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ اور ان کی ذریت کو بخشیں کیونکہ یہ قطعی ہے کہ یہ برکتیں حضرت اسحاق علیہ السلام کی ذریت میں نمایاں نہیں ہوئیں اگر نمایاں ہوتیں تو یقیناً وہ اپنے دشمنوں سے مغلوب نہ ہوتے اور زنجیروں میں بندھے ہوئے اپنے گھروں اور شہروں سے بار بار محروم نہ ہوتے۔ حالانکہ یہ سب کچھ ہوا۔ بہرحال چونکہ یہ سب معلوم و مشہور باتیں ہیں اس لیے میں نے زیادہ پھیلانا ضروری نہیں سمجھا، صرف تیرہ دلیلوں کے بیان پر قناعت کی اور یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ جس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام قربان ہوئے تو ان کی عمر بھی تیرہ سال کی تھی۔

باب دوم

قرآن مجید سے استدلال

قرآن مجید کے قصص اور دلائل میں تدبر کے لیے بعض اصول

۱۸۔ قرآن مجید کے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس نے واقعات کے بیان میں حد درجہ اختصار کا اسلوب اختیار کیا ہے۔ اس کی عبارت ہر قسم کے حشو و زوائد سے بالکل پاک ہوتی ہے، اس وجہ سے جو شخص اس کے قصص اور دلائل پر غور کرنا چاہے اس کو پہلے معلوم کر لینا چاہیے کہ ان چیزوں کے بیان میں اس کی عام روش کیا ہے؟ یہاں ہم اسی چیز کی طرف بعض اشارات کرنا چاہتے ہیں۔

قرآن مجید میں قصص، دراصل عبرت اور تعلیم حکمت کے مقصد سے بیان ہوتے ہیں اور بعض اوقات انہی کی لپیٹ میں ان تحریفات کی اصلاح بھی کر دی جاتی ہے جو اگلوں نے ان میں کر رکھی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس مقصد کے لیے اس بات کی ضرورت نہیں ہوتی کہ کوئی واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے۔ چنانچہ قرآن مجید پر تدبر کرنے والے سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ وہ اس امر کا اہتمام نہیں کرتا کہ ایک واقعہ کو ایک ہی جگہ پوری وضاحت و تفصیل کے ساتھ بیان کر دے بلکہ اس کا عام طریقہ یہ ہے کہ ایک واقعہ کا کچھ حصہ ایک جگہ بیان کرتا ہے اور اسی کا کچھ حصہ دوسری جگہ ذکر کرتا ہے اور بعض اوقات ان دونوں سے الگ ایک تیسری راہ بھی اختیار کرتا ہے۔ وہ یہ کہ پورے قصہ یا اس کے کسی ایک حصہ کی طرف محض ایک سرسری اشارہ کر کے گزر جاتا ہے۔ قصوں کے باب میں قرآن نے جو اسلوب بیان اختیار کیا ہے اس میں بھی دراصل اسالیب کلام کے اس عام کلیہ کو پیش نظر رکھا ہے کہ بات صرف اتنی ہی کہی جائے جتنے کے لیے موقع کلام مقتضی ہو۔ ہمارے علماء اس رمز سے واقف تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے ان کا ایک اصول یہ ہوا کہ قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی تفسیر کرتا ہے۔ پس جو چیز تمہیں ایک جگہ مجمل ملے گی وہی چیز دوسری جگہ پوری تفصیل کے ساتھ سامنے آجائے گی۔ قرآن مجید کی تفسیر میں یہ اصول اصل الاصول ہے جو ہر غور کرنے والے کے پیش نظر رہنا چاہیے۔

دلائل کے بیان میں بھی ایجاز اور بلاغت بیان کا یہی انداز ہوتا ہے۔ اکثر تو یہ ہوتا ہے کہ قرآن ان کو صرف بطریق اشارہ ذکر کر کے گزر جاتا ہے۔ کبھی یہ ہوتا ہے کہ دلیل کے اہم مقدمات کو تو بیان کر دیتا ہے لیکن جو پہلو ظاہر ہوتے ہیں ان کو چھوڑ جاتا ہے۔ عقلی دلائل بیان کرنے کے معاملہ میں قرآن کا عام انداز یہی ہے۔ رہیں نقلی چیزیں تو قرآن جب ان کا حوالہ دیتا ہے تو عموماً مشہور و مسلّم پہلو کی طرف اشارہ کر دیتا ہے اور چونکہ اس باب میں مقصودِ اصلی عبرت و یاددہانی اور بخشش و عذاب کے عام خدائی

قوانین کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے اس وجہ سے تخویف و تہدید کا مضمون اکثر ان کے ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے۔

قصص اور دلائل پر غور کرتے ہوئے ان دو بنیادی اصولوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے، ورنہ صحیح نتیجہ تک پہنچنا ناممکن ہوگا۔ اس مختصر تمہید کے بعد اب خاص اس معاملہ پر غور کرو۔ قرآن مجید نے ذبح کا واقعہ پوری وضاحت کے ساتھ صرف ایک جگہ بیان کیا ہے، باقی مختلف مقامات پر صرف اشارات پر اکتفا کیا ہے۔ بعض خاص اسباب سے جن کا ذکر بتفصیل فصل ۳۰ میں ہوا ہے ذبیح کا نام تصریح کے ساتھ کہیں بھی نہیں لیا ہے۔ لیکن اس اختلاف اور ابہام کے باوجود اتنی بات بہر حال قطعی ہے کہ ذبیح یا تو حضرت اسماعیل ہیں یا حضرت اسحاق۔ کوئی تیسرا اس شرف کا مدعی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن نے حضرت ابراہیم کے صرف انہی دو بیٹوں کا ذکر کیا ہے۔ ہمارا ذاتی خیال یہ ہے کہ اگر قرآن مجید میں ایسے روشن دلائل نہ ہوتے جو پوری تصریح کے ساتھ ذبیح کی شخصیت کو متعین کر رہے ہوتے تو یقیناً ہم اس باب میں سکوت کا مسلک اختیار کرتے اور ایک ایسی بات کو کریدنا پسند نہ کرتے جس کی تصریح سے قرآن نے سکوت اختیار کیا بلکہ جیسا کہ ہمارے بعض علماء نے کہا کہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ ان میں ذبیح کون ہے۔ ہم اتنا جانتے ہیں کہ دونوں ہی صالح، نیکوکار اور فرمانبردار تھے؛ ہم بھی یہی قول دہرا کر بساط بحث کو تہ کر دیتے۔ ہم مسلمانوں کا یہ شیوہ نہیں ہے کہ پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر کے لیے عصبیت کا داعیہ اپنے اندر پیدا کریں۔ اس قسم کی بے جا عصبیت اور تفریق بین الرسل دوسروں ہی کی خصوصیت ہے۔

لیکن جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا معاملہ کی نوعیت یہ نہیں ہے، بلکہ اس کے بالکل برعکس قرآن مجید میں نہایت واضح اور قطعی دلائل ایسے موجود ہیں جو ذبیح کی شخصیت کو بغیر کسی شائبۂ شک و تذبذب کے متعین کر دیتے ہیں اور قرآن مجید ہی نے ہم کو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ ہم اس کی آیات میں تدبر کریں اور ان کے اندر جو معانی و حقائق پوشیدہ ہیں ان کو کھولیں کہ صحیح تاویل واضح ہو۔ چنانچہ ہمارے علماء نے تعیین ذبیح کے معاملہ پر آیات قرآن کی روشنی میں غور کیا ہے اور ان کے نتائج تحقیق کتابوں میں موجود ہیں۔ ہم پہلے قرآن مجید کے نصوص و اشارات کو پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد تیسرے باب میں روایات اور علماء کے اقوال سے بحث کریں گے۔

واقعۂ ذبح قرآن مجید کی روشنی میں

۱۹۔ قرآن مجید نے سورۃ الصّٰفّٰت میں واقعہ ذبح کو ایک ہی سلسلہ میں تفصیل کے ساتھ اس طرح بیان فرمایا ہے۔

قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي
الْجَحِيمِ ۔ فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ
الْأَسْفَلِينَ ۔ وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي
سَيَهْدِينِ ۔ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ
الصَّالِحِينَ ۔ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ
حَلِيمٍ ۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ

بولے بناؤ اس کے لیے ایک گھر اور ڈال دو اس کو آگ
کے ڈھیر میں۔ پس انھوں نے اس کے ساتھ ایک داؤ
کرنا چاہا تو ہم نے انہی کو نیچا دکھایا۔ اور اس نے کہا میں
اپنے پروردگار کی طرف جاتا ہوں۔ وہ میری رہبری
فرمائے گا۔ پروردگار مجھے صالح اولاد بخش، تو ہم نے اس
کو ایک حلیم بیٹے کی بشارت دی پس جب وہ اس کے

يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰۗـؤُا الْمُبِيْنُ ۝ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ ۝ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓي اِسْحٰقَ ۭ وَمِنْ ذُرِّيَّـتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ۝ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰي مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝

(الصّٰفّٰت ۱۰۲ - ۱۱۴)

ساتھ دوڑنے پھرنے کے قابل ہوا، اس نے کہا اے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ پس تو بتا کہ تیری کیا رائے ہے، کہا اے میرے باپ! وہ کیجئے جو آپ کو حکم ملا ہے۔ انشاء اللہ آپ مجھے ثابت قدم پائیں گے۔ پس جب دونوں خدا کی اطاعت میں سر افگندہ ہو گئے اور اس کو پیشانی کے بل پچھاڑ دیا اور ہم نے اس کو پکارا اے ابراہیم! تم نے خواب کو سچ کر دکھایا، ہم خلاص و راستی کی راہ چلنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں، بیشک یہی کھلی ہوئی آزمائش ہے، اور ہم نے اس کو چھڑا لیا ایک ذبیح عظیم کے بدلے، اور باقی رکھا ہم نے اس پر بعد والوں میں۔ سلامتی ہو ابراہیم پر، اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں اخلاص و راستی کی راہ چلنے والوں کو بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔ اور ہم نے خوشخبری دی اسحاق کی جو نبی ہوگا نیکوکاروں میں۔ اور برکت دی ہم نے اس پر اور اسحاق پر اور ان کی ذریت میں نیکوکار بھی ہیں اور اپنے حق میں صریح ظالم بھی اور ہم نے احسان کیا موسیٰ اور ہارون پر۔

یہاں ہم نے اصل واقعہ سے آگے پیچھے کی آیات بھی نقل کر دی ہیں تاکہ واضح رہے کہ سلسلۂ بیان کا کوئی حرف بھی ہم نے نظر انداز نہیں کیا ہے۔

ان آیات کے پیش کرنے سے مقصود یہ دکھانا ہے کہ اگرچہ یہاں ذبیح کا نام تصریح کے ساتھ نہیں آیا ہے لیکن ایسے دلائل و قرائن موجود ہیں کہ بغیر کسی تردد کے فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ مراد حضرت اسماعیلؑ ہی ہیں۔ اصل مدار بحث اس تعیین پر ہے کہ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ (پس ہم نے اس کو ایک حلیم بیٹے کی خوشخبری دی) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں میں سے کس بیٹے کی طرف اشارہ ہے۔ اگر اس کی تعیین ہو جائے تو بحث کا سارا الجھاؤ ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ امر دلائل کی روشنی میں طے شدہ ہے کہ اس آیت میں جس بیٹے کی طرف اشارہ ہے وہی ذبیح ہے۔ اب ہم اس اجمال کی تفصیل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

پہلی دلیل

ذبیح کا ذکر دعا کے بعد ہی آیا ہے

۲۰۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک صالح بیٹے کے لیے دعا فرمائی تھی رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ اور یہ دعا اس

وقت فرمائی تھی جب ان کے کوئی اولاد نہیں تھی ورنہ ظاہر ہے کہ اولاد ہوتے ہوئے وہ ان لفظوں میں دعا کیسے کر سکتے تھے، اور اگر کرتے تو یہ جواب ملتا کہ تمہیں اولاد مل چکی ہے۔ تورات میں اس امر کی تصریح موجود ہے۔ چھٹی اور ساتویں فصل میں ہم اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔ پس یہاں اسی دعا کو اس کی قبولیت کی بشارت کے ساتھ ذکر فرمایا اور دعا اور قبولیت میں حرف ف کے واسطے سے تعلق قائم کیا۔ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ (پس ہم نے اس کو ایک حلیم بیٹے کی خوشخبری دی) جس سے یہ نتیجہ صاف نکلتا ہے کہ یہ اسی بیٹے کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قبولیت دعا کے طور پر عطا فرمایا۔ پھر یہیں سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ یہی حلیم و بردبار بیٹا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اکلوتی اولاد ہے اور جب کہ یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ ذبح کا حکم اکلوتے بیٹے کے لیے ہوا تھا تو یہ بات آپ سے آپ ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح ہیں کیونکہ اکلوتے بیٹے وہی ہیں۔

ہمارے نزدیک استدلال کا پہلو یہ نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم نے صرف ایک ہی بیٹے کے لیے دعا فرمائی تھی جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھا ہے اور جس کا ذکر فصل ۴۶ میں آئے گا۔ بلکہ دعا عام تھی اور معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کیا گیا تھا کہ وہ چاہے ایک صالح بیٹا عطا فرمائے یا ایک سے زیادہ۔ بلکہ دعا کے الفاظ میں ایک سے زیادہ کے لیے نہایت لطیف اشارہ بھی چھپا ہوا ہے اور موقع دعا کے لحاظ سے یہی بات مناسب بھی تھی۔ چنانچہ دوسری جگہ دل کی یہ مخفی خواہش الفاظ میں بھی صاف ٹپک پڑی ہے۔

رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ (ابراھیم - ۴۰) — پروردگار! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد میں سے۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تعداد کا معاملہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر چھوڑ رکھا تھا۔ پس ہمارے استدلال کی قوت کا انحصار اس امر پر نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف ایک ہی بیٹے کے لیے دعا فرمائی تھی۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ دعا اگرچہ عام ہے، اگرچہ ان تمام صالح بیٹوں اور پوتوں پر شامل ہے جو ان کو عطا ہوئے با ایں ہمہ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ میں جس بیٹے کا ذکر ہے وہ وہی اکلوتا بیٹا ہے جو قبولیت دعا کی بشارت بن کر تمام اولادوں سے پہلے عطا ہوا یعنی حضرت اسماعیلؑ کیونکہ انہی کا ذکر دامن دعا کے ساتھ بندھا ہوا نظر آتا ہے۔ گویا دعا ایک شجرۂ مبارکہ تھی جس کے اولین ثمرہ وہ ہیں۔

پس اس میں ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ دعا کی قبولیت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت سے ہوئی۔ باقی رہے دوسرے بیٹے پوتے تو گو سب اسی شجرۂ مبارکہ کے پھل اور پھول ہیں لیکن ان کی حیثیت فضل مزید اور عطیہ و نافلہ کی ہے اور یہ ایسی بات ہے جو خود قرآن کے الفاظ میں پوری وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً (انبیاء - ۷۲) (یعنی ہم نے اس کو عطا فرمائے اسحاق و یعقوب اپنی طرف سے ایک فضل مزید کے طور پر۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے بیٹے کا نام اسمٰعیل رکھا یعنی وہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ پس حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام اگرچہ دعا اور بخشش کے عموم میں شامل ہیں لیکن فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ میں صرف اسی اکلوتے کا ذکر ہے جو اس وقت عطا ہوا جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کوئی اولاد نہیں تھی۔

تیسری دلیل

دونوں نظیروں کی تطبیق ایک دوسرے پہلو سے

۲۲- آیت مذکورہ بالا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ الآیة میں صرف یہی نہیں ہے کہ شکر کے موقع پر حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل کے نام کو مقدم رکھا، بلکہ انھوں نے یہ بات بھی کھول دی کہ اس کا نام اسمٰعیل اس وجہ سے رکھا کہ وہ ان کی دعا کی قبولیت تھے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ بے شک میرا پروردگار دعا کا سننے والا ہے اور اسماعیل کے معنی جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں سمیع اللہ (اللہ نے سنا) کے ہیں۔ پس گویا ان کی دعا کی تفصیلی تعبیر یوں ہوگی۔ "اس پروردگار کا شکر جس نے مجھے عطا فرمایا اسمٰعیل میری دعا کی قبولیت کے طور پر، پھر مجھے بخشا اسحاق فضل مزید کے طور پر" ٹھیک اسی طرح "صٰفّٰت" میں جہاں واقعہ ذبح بیان فرمایا پہلے بیٹے کا ذکر دعا سے بالکل متصل لاکر بتا دیا کہ یہی بیٹا دعا کی قبولیت ہے۔ پس دعا اور اس بیٹے کے بارے میں، جو قبولیت دعا ہے دونوں آیتوں کا بیان ایک ہی ہے۔ ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ علاوہ ازیں پہلی آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اس سے مراد اسمٰعیل ہیں اور دوسری سے یہ واضح ہوگیا کہ وہی ذبیح ہیں۔ پس اس طرح گویا یہ بات بالکل صاف ہوگئی کہ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ میں حضرت اسمٰعیل کے سوا کوئی دوسرا مراد نہیں ہو سکتا۔

چوتھی دلیل

حضرت اسحٰق کی بشارت کے بارہ میں تمام نظائر کا استقصاء

۲۳- یہاں (سورہ الصٰفّٰت میں) دو بشارتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک غلام حلیم کی بشارت ہے جو دعا سے بالکل متصل ہے اور دوسری حضرت اسحٰق کی بشارت ہے جو دعا سے بالکل علیحدہ ہے۔ اسی طرح حضرت اسحاق کی بشارت قرآن مجید میں متعدد مقامات پر وارد ہے لیکن دعا کے ساتھ مذکور ہونا تو الگ رہا کہیں سے یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت ابراہیم نے ان کی ولادت کے لیے کوئی دعا فرمائی ہو یا کم از کم اس کے لیے متوقع ہی رہے ہوں۔ اور بعینہٖ یہی بات تورات سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق کی ولادت کی بشارت ایسی حالت میں ملتی ہے کہ نہ وہ ان کے ولادت کے لیے متمنی تھے اور نہ منتظر۔ چنانچہ جب ان کو بشارت ملتی ہے تو وہ اس کو سن کر متعجب ہوتے ہیں۔ کتاب پیدائش ۱۷: ۱۷ میں ہے:-

> "تب ابرہام سرنگوں ہوا، اور ہنس کر دل میں کہنے لگا کہ کیا سو برس کے بڈھے سے کوئی بچہ پیدا ہوگا اور کیا سارہ کے جو نوّے برس کی ہے اولاد ہوگی؟"

اس تعجب کو سامنے رکھ کر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک بیٹا عطا فرمانے کا وعدہ کیا تھا، اگر وہ بیٹا حضرت اسحاقؑ ہی ہوتے تو اس بشارت پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تعجب کیوں ہوتا؟ پس یہ بشارت جو دعا کے ساتھ بطور اس کی قبولیت ملائی گئی ہے، حضرت اسحاقؑ کے متعلق ہرگز نہیں ہوسکتی۔ یہ ایک مستقل دلیل ہے اس کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

علاوہ ازیں ایک اور وجہ سے بھی یہ بشارت حضرت اسحاقؑ کے متعلق نہیں ہوسکتی وہ یہ کہ حضرت اسحاقؑ کے متعلق جتنی بشارتیں مذکور ہیں ان میں سے ایک بھی کسی دعا سے متصل یا اس پر مبنی نہیں ہے۔

اس وجہ سے اگر اس کو حضرت اسحاقؑ کے بارے میں مانا جائے تو یہ اپنے تمام نظائر کے خلاف پڑے گی۔ حالانکہ اصول یہ ہے کہ نظیر کو نظیر پر محمول کیا جائے۔ پس ان وجوہ سے ناگزیر ہے کہ یہ بشارت حضرت اسماعیلؑ ہی کے بارہ میں مانی جائے جو اپنے باپ کی دعا کی قبولیت بن کر آئے تھے اور چونکہ اس امر کی تصریح قرآن مجید میں مذکور ہے کہ اس بشارت میں جس بیٹے کا ذکر ہے وہی ذبیح ہے۔ اس لیے لازماً یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح ہیں۔

پانچویں دلیل

پہلی بشارت دوسری بشارت سے بالکل الگ ہے

۲۴۔ اس میں شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ دونوں بشارتوں کے درمیان عطف کا ہونا اس امر کی نہایت واضح دلیل ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دو بیٹوں کی بشارت دی گئی ہے۔ یہ کہنا کہ دونوں بشارتوں کے مصداق حضرت اسحاقؑ ہی ہیں تو پہلی بشارت اس پہلو سے کہ وہ ایک "غلام حلیم" ہیں، اور دوسرے اس پہلو سے کہ وہ نبی ہوں گے ظاہر قرآن کے خلاف بلکہ نہایت غلط بات ہے، کوئی دلیل بھی اس کی تائید میں نہیں ہے۔ اگر اس قول کی لغویت بالکل واضح طور پر معلوم کرنا چاہیں تو دونوں بشارتوں کو یکجا کر دیکھیے۔ استدلال کا سارا عیب کھل جائے گا۔ جمع کر دینے کی صورت میں گویا پوری بات یوں ہوگی۔ ابراہیمؑ نے دعا کی اے پروردگار! مجھے صالح اولاد دے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک حلیم بیٹے کی خوش خبری دی۔ جس کا معاملہ یوں ہوا، اور اس کو اسحاقؑ کی بشارت دی جو نیکوکاروں میں سے نبی ہوگا" کیا کوئی خوش مذاق آدمی اس کلام پر ایک نظر ڈالنے کے بعد یہ مان سکتا ہے کہ اس میں "حلیم بیٹے" اور "اسحاق" سے ایک ہی شخص مراد لیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ہمارے اور اہل کتاب کے درمیان یہ بات متفق علیہ ہے کہ حضرت اسحٰقؑ کی ولادت سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کو ایک حلیم اور اطاعت شعار بیٹا عطا ہو چکا تھا۔ پھر کلام کو اس کے ظاہر سے ہٹا کر دونوں معطوفوں کو ایک قرار دینا کتنی عجیب بات ہے۔ الغرض یہ قطعی ہے کہ پہلی بشارت کا تعلق حضرت اسمٰعیلؑ سے ہے اور وہی ذبیح ہیں اور دوسری بشارت حضرت اسحاقؑ سے متعلق ہے جیسا کہ بالتصریح معلوم ہے۔

چھٹی دلیل

بشارت کے بعض قرائن جو حضرت اسحاق کے ذبیح ہونے کے منافی ہیں

۲۵۔ یہ بات ثابت ہے کہ جو بیٹا قربان ہوا وہ قربانی کے وقت کم سن تھا۔ ابھی مردوں کے سن شعور کو نہیں پہنچا تھا۔ چنانچہ اس کی نسبت فرمایا ہے۔ "فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ (جب وہ اس کے ساتھ دوڑنے پھرنے کے سن کو پہنچا)" نیز ذبح کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو "یٰبُنَیَّ" اے میرے بچے! کہہ کر مخاطب کیا۔ نیز تورات میں بھی ایسے الفاظ موجود ہیں جن سے اس دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔

برعکس اس کے حضرت اسحاق علیہ السلام کے متعلق جو بشارت ہے اس میں صاف تصریح ہے کہ وہ نبی ہوں گے ایسی حالت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ کیسے گمان کر سکتے تھے کہ ذبح کا حکم اسی بیٹے کے لیے ہے۔ ان کا ایسا سمجھنا یقیناً الہامی تصریحات کے بالکل خلاف ہوتا۔

چونکہ یہ بات مخالفین کے دعویٰ کے علانیہ خلاف تھی اس لئے انھوں نے اس کو توڑنے کی بہت کوشش کی ہے اور اس کے دو جواب دیے ہیں۔

اس کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان کے ذبح کا حکم اس وقت دیا گیا جب وہ نبی ہو چکے تھے اور "سعی" سے مراد یہ ہے کہ وہ ان کے تمام کاموں میں برابر کے شریک ہو سکتے تھے۔ رہا "یٰبُنَیَّ" سے خطاب تو یہ محض بربنائے محبت اور تعلق قلب کے تھا۔ ان جوابات کا ضعف واضح ہے کیونکہ قرآن کے الفاظ صریحاً اس مفہوم کے خلاف ہیں۔ نیز تورات میں بالکل غیر مشتبہ تصریحات اس بات کی موجود ہیں کہ ذبح ہونے والا بیٹا کم سن اور نوخیز تھا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ نبوت کی بشارت دوسری بشارت ہے اور یہ اس وقت نازل ہوئی جب وہ قربان ہو چکے تھے۔

قطع نظر اس سے کہ یہ جواب مہمل ہے، یہ ہمارے حریفوں کے کچھ مفید بھی نہیں۔ اس کا مہمل ہونا تو یوں واضح ہے کہ تورات میں حضرت اسحاقؑ کی بشارت مذکور ہے اور قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر کئی جگہ آیا ہے اور ہر جگہ یہ ثابت ہے کہ یہ بشارت ان کی ولادت سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ پھر ان میں تفریق کرنا اور بعض کو بعض خاص زمانوں سے مخصوص کرنا ایک ایسی بات ہے جس کی نہ تو نظائر سے تائید ہوتی ہے اور نہ کوئی دوسری ہی دلیل اس کی حمایت کرتی ہے۔

اور غیر مفید ہونا یوں واضح ہے کہ معاملہ صرف اسی قدر نہیں ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت ان کی ولادت سے پہلے دی گئی ہے، بلکہ ان کے بیٹے کی بشارت بھی ساتھ ہی دی گئی ہے۔

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ۔ (هود - ۷)	اور اس کی بیوی کھڑی تھی۔ پس وہ تعجب سے ہنسی تو ہم نے اس کو خوشخبری دی اسحاق کی اور اسحاق سے یعقوب کی۔

یعنی ایک بیٹے کی خوشخبری دی اور ساتھ ہی اسے بیٹے سے ایک پوتے کی ولادت کی بھی خوشخبری دی اور ظاہر ہے کہ جب نبوت کی صفت کے ساتھ ان کی خوشخبری دیا جانا اس امر کے منافی ہے تو وہ ذبیح ہوں تو اِبوّت کی صفت کے ساتھ ان کی خوشخبری دیا جانا تو بدرجۂ اولیٰ اس کے منافی ہوگا۔ پس ان بشارتوں میں فرق کر کے جو مقصد وہ حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ کسی طرح حاصل نہیں ہوتا۔ بات وہی صحیح ثابت ہوتی ہے جو قرآن کے الفاظ سے نکلتی ہے یعنی بشارت درحقیقت ایک ہی ہے اور یہ ان کی پیدائش سے پہلے دی گئی ہے اور چونکہ اس میں بالتصریح بتایا گیا ہے کہ وہ نبی ہوں گے اور ان کے ایک بیٹے کا نام یعقوب ہوگا اس لیے یقیناً فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ الآیہ میں وہ مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ اس میں اس بیٹے کا ذکر ہے جو ذبیح ہوگا اور یہ باتیں ذبیح ہونے سے مانع ہیں۔

ساتویں دلیل

ذبیح اور اسحٰق کے لیے دو علیٰحدہ صفات

۲۶۔ قربان ہونے والے بیٹے کی صفت قرآن نے حلیم (بردبار) بیان فرمائی ہے اور حضرت اسحاق کی تعریف میں علیم کا لفظ فرمایا ہے۔ سورۂ ذاریات میں ہے وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ اور اس کو ایک صاحب علم بیٹے کی بشارت دی۔ ہمارے نزدیک ان دونوں صفتوں میں ایک نازک فرق ہے۔ حلم ایک خلقی صفت ہے۔ جس شخص میں عقل و فہم اور صبر کی خصوصیات ہوں گی اس میں یہ صفت پائی جائے گی اور اس کے آثار بچپنے سے نمایاں ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے علم، تجربہ اور ممارست کی ایک خاص حد کا انتظار کرتا ہے اور جب تک کہ آدمی عمر کی پختگی کو نہ پہنچ جائے اس کا یہ جوہر نہیں چمکتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

فَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (یوسف۔۲۲)	اور جب وہ عمر کی پختگی کو پہنچ گیا ہم نے اس کو فیصلہ کی قوت اور علم عطا فرمایا۔

اس میں بَلَغَ اَشُدَّهٗ کے الفاظ پر غور کرو کہ علم نبوت بھی جو سراپا بخشش الٰہی ہے، ایک خاص عمر سے پہلے نہیں ملتا۔ اس روشنی میں اگر بَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ (اس کو خوشخبری دی ایک صاحب علم بیٹے کی) پر غور کرو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ بیٹا جوان ہو کر صاحب علم و عمل ہوگا۔ اور یہ گویا ٹھیک ٹھیک نظیر ہے وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ کی جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ بیٹا جوان ہو کر انبیائے کرام کی صف میں داخل ہوگا۔ اور چونکہ یہ ثابت ہے کہ حضرت اسحاق کے صاحب علم ہونے کی بشارت ان کی ولادت سے پہلے دی گئی اس لیے لازماً یہ ان کے ذبیح ہونے کے منافی ہے۔ البتہ حضرت اسماعیل کی صفت حلیم بیان فرمائی ہے جس سے وہ فرق پوری طرح واضح ہو جاتا ہے جو اوپر بیان ہوا۔

آٹھویں دلیل

ذبیح اور اسمٰعیلؑ کے لیے ایک جامع صفت

۲۷۔ اسی قسم کا ایک اور لطیف استدلال بھی قابلِ غور ہے۔

واقعہ ذبیح کے سلسلہ میں قرآن مجید نے ذبیح کا یہ قول بھی ہم کو سنایا ہے۔

سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ۔ (صٰفٰت) — انشاء اللہ آپ مجھ کو ثابت قدم رہنے والوں میں پائیں گے۔

یعنی ذبیح کی ایک خاص صفت صبر بیان ہوئی ہے۔ یہ صفت حضرت اسحٰقؑ کے لیے، باوجودیکہ ان کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا ہے کہیں بھی بیان نہیں ہوئی ہے۔ البتہ حضرت اسمٰعیلؑ کے لیے یہ صفت نمایاں طور پر بیان ہوئی ہے سورۃ الانبیاء میں ہے۔

وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِدۡرِیۡسَ وَ ذَاالۡکِفۡلِ ؕ کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیۡنَ۔ — اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو یہ سب صابرین میں سے تھے۔

اس سلسلہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا نام مقدم ہونا اس امر کو واضح کرتا ہے کہ اس وصف (صبر) میں ان کا مقام سب سے اونچا تھا اور بلا شبہ جس نے اپنی جان بے دریغ خدا کے حوالہ کر دی ہو اس سے زیادہ کوئی دوسرا اس صفت سے متصف ہونے کا حق دار نہیں ہے۔

اگر اس وصف میں حضرت اسحاق علیہ السلام نمایاں ہوتے، جس کا فرض کرنا ان کو ذبیح ماننے کی صورت میں لازمی ہو جاتا ہے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ قرآن مجید اس کو نمایاں نہ کرتا۔

نویں دلیل

ذبیح اور حضرت اسمٰعیلؑ کے مابین ایک دوسری جامع صفت

۲۸۔ اسی کے مشابہ ایک اور لطیف نکتہ بھی قابلِ لحاظ ہے

قرآن مجید نے حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کا ذکر کرتے ہوئے جگہ جگہ ان کی ایسی صفتیں بیان کی ہیں جن سے واقعہ ذبیح پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے "وَاِبۡرٰہِیۡمَ الَّذِیۡ وَفّٰۤی" اور ابراہیم جس نے پورا کیا۔ "پورا کیا" سے یا تو یہ مراد ہو کہ انھوں نے اپنی نذر پوری کی اور یہ تاویل زیادہ ظاہر ہے۔ یا یہ مراد ہو کہ طاعت و بندگی کی تمام ذمہ داریاں پوری کیں۔

اسی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا (مریم - ۵۴)

اور یاد کرو کتاب میں اسماعیل کو، بے شک وہ وعدہ کا پکا اور رسول و نبی تھا۔

یہ بات اپنی جگہ پر طے ہے کہ قرآن مجید کسی بات کا ذکر اسی وقت کرتا ہے جب وہ نہایت اہم اور عظیم الشان ہو۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ ان آیات میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی جن صفات کا ذکر ہوا ہے وہ ان کی زندگیوں میں غیر معمولی اہمیت رکھتی ہوں، ان کے ذکر سے مقصود محض ان کے عام کردار کا اظہار نہ ہو۔ اس پہلو کو سامنے رکھ کر معاملہ پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ اگر حضرت اسحاق ذبیح ہوتے تو ضروری تھا کہ ان کے لیے قرآن مجید اور تورات میں یہ وصف بیان ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ نہ قرآن مجید میں ان کی اس صفت کا کہیں ذکر ہوا ہے اور نہ تورات ہی میں اس کا کوئی اشارہ موجود ہے۔ ہاں حضرت اسماعیلؑ کے متعلق یہ صفت نہایت نمایاں طور پر بیان ہوئی ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ قرآن مجید یا تورات میں ہم حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق واقعۂ ذبیح کے سوا کوئی ایسی بات نہیں پاتے جو ان کی اس صفت کی مصداق ہو سکے۔ البتہ واقعۂ ذبیح کے سلسلے میں ان کا وعدہ صبر ملتا ہے وہ فرماتے ہیں:۔

سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ۔

انشاء اللہ آپ مجھے ثابت قدم پائیں گے۔

یہ ان کا وعدہ تھا اور ضروری تھا کہ وہ امتحان کی کسوٹی پر اس کی صداقت آشکارا کر دیں۔ چنانچہ انھوں نے چھری کے نیچے اپنی گردن رکھ کر اپنے عہد و قرار کی استواری کی ایک دائمی حجت قائم کر دی۔

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ۔

پس جب دونوں خدا کی اطاعت میں سرفگندہ ہو گئے اور اس کو پیشانی کے بل پچھاڑ دیا۔

اب تم اس پورے سلسلہ پر ایک نگاہ ڈال کر ذبیح اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی صفات کی مطابقت پر غور کرو، اور یہ بھی دیکھو کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے جو صفت قرآن مجید نے بیان فرمائی ہے، اس واقعۂ ذبیح کے سوا کوئی اور چیز ایسی نہیں ملتی جس پر یہ صفت منطبق ہو سکے۔ نیز یہ امر بھی معلوم ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے لیے یہ صفت کہیں بھی مذکور نہیں ہے، نہ تورات میں نہ قرآن مجید میں، حالانکہ اگر وہ ذبیح ہیں تو ان کے بارے میں سب سے زیادہ واضح لفظوں میں بیان کرنے کی بات یہی تھی۔ کیا ان تمام دلائل و قرائن کے بعد ایک لمحہ کے لیے بھی کوئی شخص اس میں شک کر سکتا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیلؑ ہیں۔

دسویں دلیل

ذبیح اور حضرت اسحاقؑ کا ذکر مستقلاً علیحدہ علیحدہ ہوا ہے

۲۱۔ اوپر تم نے دیکھا کہ پہلے اس مبشر کا ذکر ہوا جس کو ذبیح ہونے کی عزت و سعادت حاصل ہوئی۔ پھر اس مبشر کا ذکر ہوا جس کا نام تصریح کے ساتھ اسحاق بتایا گیا ہے۔ اب دیکھو کہ ان دونوں کے حالات مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان ہوئے۔

وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ وَ

اور ہم نے اس پر برکت دی اور اسحٰق پر اور ان دونوں کی

مِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ (صٰفّٰت)

اولاد میں نیکوکار بھی ہیں اور اپنی جان پر کھلا ہوا ظلم کرنے والے بھی۔

آیت کے الفاظ پر غور کرو، یہاں بھی دونوں کو دو الگ الگ اشخاص کی حیثیت سے ذکر کیا ہے، ایک نہیں قرار دیا ہے۔

پس جب یہ بات ثابت ہے کہ پہلی بشارت دوسری بشارت سے بالکل علیحدہ ہے، اور یہ طے ہے کہ ذبیح وہ بیٹا ہے جو پہلی بشارت کا مصداق ہے۔ دوسری بشارت کے متعلق تصریحات سے معلوم ہے کہ اس کا تعلق حضرت اسحاق سے ہے۔ تو اب ہمارے دعوے کے ثبوت میں کس چیز کی کمی رہ گئی؟ انہی نتائج تک تو ہم پہنچنا چاہتے تھے۔

ہاں، اب صرف یہ بات رہ گئی کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں جن دو شخصوں کا ذکر ہے ان سے مراد حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحاق علیہما السلام ہیں، آیت میں حضرت اسماعیلؑ کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ تاویل نہایت کمزور ہے۔

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر برکت کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ (صٰفّٰت)

سلامتی ہو ابراہیمؑ پر، ایسے ہی ہم بدلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو، بے شک وہ ہمارے باایمان بندوں میں سے تھا۔

اس جملہ کا اسلوب بالکل ایک اختتامی جملہ کا ہے یعنی اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان سے متعلق جو بات یہاں کہنے کی تھی، پوری ہو گئی ہے۔ اب کوئی بات باقی نہیں رہ گئی ہے۔ چنانچہ یہاں آگے اور پیچھے جتنے انبیاء کا ذکر ہوا ہے ان سب کا ذکر اسی طرح کے جملہ پر ختم ہوا ہے۔ مثالیں دیکھو۔ فرمایا:-

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۔ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ۔ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۔ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۔ وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ (صٰفّٰت ۷۸-۸۳)

اور چھوڑا ہم نے اس پر پچھلوں میں۔ سلامتی ہو نوحؑ پر عالم میں، ایسے ہی ہم بدلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو، بے شک وہ ہمارے باایمان بندوں میں سے تھا۔ پھر ہم نے غرق کر دیا اوروں کو۔ اور بے شک اس کی جماعت میں سے تھا ابراہیم۔

پھر فرمایا:-

سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۔ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۔ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (صٰفّٰت ۱۲۰-۱۲۳)

سلامتی ہو موسیٰ اور ہارون پر، ایسے ہی ہم بدلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو، بے شک وہ دونوں ہمارے باایمان بندوں میں سے تھے اور بے شک الیاس رسولوں میں سے تھا۔

پھر فرمایا:-

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ۔ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۔ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ وَاِنَّ لُوْطًا

سلامتی ہو الیاس پر، بے شک ایسے ہی ہم بدلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو، بے شک وہ ہمارے باایمان بندوں میں سے تھا

لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (صٰفّٰت ۔ ۱۳۰-۱۳۳) — اور بے شک لوط رسولوں میں سے تھا۔

پھر سورہ کا خاتمہ اس آیت پر فرمایا۔

سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (صٰفّٰت ۱۸۱-۱۸۲) — اور سلامتی ہو رسولوں پر اور شکر ہے عالم کے پروردگار کے لیے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کے ذکر سے فارغ ہونے کے بعد برکت و سلامتی کے ساتھ ان کے ذکر کو تمام کر دیا ہے۔ پھر اس برکت و سلامتی کا ذکر فرمایا ہے جو ان کی ذریت کے لیے مخصوص ہوئی اور چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کے سلسلے میں ان کے پہلے بیٹے کی بشارت کا ذکر ہو چکا تھا اس لیے اس کے بعد ان کے دوسرے بیٹے کی بشارت کا ذکر ہوا۔ پھر تمام انبیاء کے واقعات کی طرح برکت و سلامتی کے ذکر کے ساتھ ان کے ذکر کو بھی ختم کر دیا۔

ب ۔ یہ بات اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ دونوں کو برکت عطا فرمائی اور ان کی اولادوں کو دو مبارک جگہوں میں علیحدہ علیحدہ بسایا۔ نیز یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کے مسکن کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ تورات میں حضرت اسماعیلؑ کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت پانا تصریح کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ یہ وجوہ داعی تھے کہ یہاں ان دونوں کی برکت کا ذکر آئے۔ پس جب تک اس بات کی کوئی نہایت قوی دلیل نہ مل جائے کہ یہاں تخصیص کے ساتھ صرف حضرت اسحاقؑ کا ذکر ہوا ہے، اس وقت تک اس ظاہر حقیقت کو نظر انداز کرنا ناممکن ہے اور چونکہ اس طرح کی کوئی دلیل یہاں موجود نہیں ہے اس لیے اولیٰ یہی ہے کہ ہم وہ تاویل اختیار کریں جو زیادہ وسیع اور زیادہ خوبصورت ہو یعنی یہ سمجھیں کہ یہاں حضرت اسحاقؑ اور حضرت اسماعیلؑ دونوں کے لیے برکت و سلامتی کا ذکر ہے، گویا پوری بات یوں کہی گئی ہے کہ ہم نے اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ پر اپنی رحمت و برکت نازل کی اور ان دونوں کی اولاد میں سے کچھ نیکوکار ہیں اور کچھ اپنے آپ پر کھلے ہوئے ظلم کرنے والے ہیں۔

ج ۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں پر اپنے انعامات کا ذکر قرآن مجید میں بار بار فرماتا ہے۔ اور نیک بندوں میں سے جن لوگوں کو اپنے مخصوص فضل و کرم سے نوازا ہے، ان کا ذکر مخصوص اہتمام سے فرمایا ہے۔ اسی مخصوص جماعت میں حضرت اسمٰعیل و حضرت اسحاق علیہما السلام بھی ہیں۔ جو خاص فضل و برکت سے مشرف ہوئے۔ پس قرآن مجید اور تورات میں ان کی برکتوں اور نعمتوں کا ذکر بار بار خاص اہتمام کے ساتھ ہوا تاکہ عرب اور یہود جو ان کی ذریت میں ہیں، ادائے شکر کی اس ذمہ داری کو سمجھیں جو ان نعمتوں کے بعد ان پر عائد ہوتی ہے۔ کلام کے اس رخ کے لحاظ سے یہاں یہ ضروری ہوا کہ یہ امر بھی بیان کر دیا جائے کہ ان کی ذریت دو جماعتوں میں بٹ گئی ہے۔ ایک جماعت نے نیکی و اطاعت کی راہ اختیار کی ہے اور اپنے پروردگار کی شکرگزار بنی ہے اور دوسری جماعت نافرمانی اور شرارت میں مبتلا ہو گئی ہے اور اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔

اس تفصیل کا مقصد یہ تھا کہ ان لوگوں کو توجہ ہو اور یہ خدا کی ان نعمتوں کو جو ان پر اور ان کے آبا و اجداد پر ہوئیں یاد کر کے اطاعت و شکرگزاری کی راہ اختیار کریں۔

قرآن مجید اور تورات میں یہ مضمون بار بار بیان ہوا ہے جس سے مذکورہ تفصیل کی پوری تائید ہوتی ہے مثلاً۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا — اور بھیجا ہم نے نوح اور ابراہیم کو اور قائم کی ان کی ذریت

النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۔ (حدید ۲۶)

میں نبوت اور دی کتاب۔ پس ان میں سے کچھ ہدایت پر ہیں اور زیادہ نافرمان ہیں۔

دوسری جگہ ہے :-

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ (فاطر ۳۲)

پھر ہم نے وارث بنایا کتاب کا ان لوگوں کو جن کو چنا اپنے بندوں میں سے پس ان میں سے کچھ اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں، کچھ میانہ رو ہیں اور کچھ بھلائی میں بڑھنے والے ہیں۔

اسی طرح پر یہاں عرب اور یہود دونوں کو ان خرابیوں پر متنبہ کیا ہے جو ان کے اندر پیدا ہو چکی تھیں۔ اس اجمال کی تفصیل اس باب کے آخر میں ہم کسی قدر بیان کریں گے۔

غرض :-

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ۔

اور ان کی ذریت میں کچھ نیکوکار اور کچھ اپنے نفس پر کھلے ہوئے ظلم کرنے والے ہیں۔

کا ظاہر مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحاق دونوں کی ذریت مراد ہوں کیونکہ کچھ کا نیکوکار اور کچھ کا ظالم ہونا جس طرح حضرت اسحاقؑ کی ذریت کے باب میں صحیح اور بالکل واقعات کے مطابق ہے اسی طرح حضرت اسماعیلؑ کی ذریت کے بارہ میں بھی حرف حرف صحیح اور نفس واقعہ کی صحیح تصویر ہے۔ قرآن مجید جوامع الکلم کی بہترین مثال ہے، ناممکن ہے کہ اس کا طرز بیان ادھورا اور ناقص ہو۔ اس کا طرز بیان ہمیشہ جامع اور تمام اطراف و جوانب کو سمیٹنے والا ہوتا ہے۔ اگر وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا (اور ان دونوں کی ذریت) میں ضمیر کا مرجع حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحاقؑ کو قرار دیا جائے تو یہ خوب صورت، جامع اور صحیح تاویل بالکل درہم برہم ہو کر رہ جائے گی۔ اور کوئی دوسری قابل قبول تاویل نظر نہیں آتی۔ کیونکہ اس صورت میں دو ہی شکلیں ممکن ہیں۔ یا تو ذریت سے تم ایک ذریت مراد لو گے۔ یعنی وہ ذریت جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق علیہما السلام کے درمیان مشترک ہے، جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے بنی اسماعیل کے لئے اپنی دعا میں مراد لیا ہے۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (بقرہ ۱۲۸)

اور ہماری ذریت میں سے اپنی ایک فرمانبردار امت بنا۔

یہاں "ہماری ذریت" کے الفاظ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ذریت مراد لی ہے۔ کیونکہ حقیقت کے اعتبار سے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت بھی تھی۔ پس اس مفہوم کے اعتبار سے وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا میں جو بات بیان کی گئی ہے وہ صرف حضرت اسحاق کی ذریت کے لیے مخصوص ہو جائے گی اور جو معنی مقصود ہے وہ کسی طرح بھی ادا نہ ہو سکے گا بلکہ معاملہ کا اصلی قابل ذکر حصہ جو موقع کے اعتبار سے واقعی اہمیت رکھتا ہے، بالکل نظر انداز ہو جائے گا۔ یا دو ذریتیں مراد لو گے۔ پہلی حضرت اسحاق کی خاص ذریت یعنی حضرت یعقوب اور ان کی نسل عیسو اور ان کی نسل اور دوسری حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خاص ذریت جس کو

اولین درجہ میں ان کی ذریت ہونے کی عزت حاصل ہے یعنی خود حضرت اسماعیل و حضرت اسحاق علیہما السلام ۔ اس صورت میں تمہاری تاویل کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خاص ذریت میں کوئی بھی نہیں ہے جو ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ کا مصداق ہو سکے ۔ اب صرف ایک ہی شکل رہ گئی ہے کہ حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام کی ذریت کو مراد لو اور یہ کہو کہ حضرت اسمٰعیلؑ ہی کی ذریت کو یہاں ذریت ابراہیم سے تعبیر کیا ہے لیکن ہمارے نزدیک اس ایچ پیچ کی ضرورت نہیں ہے ۔ اس مفہوم کو ظاہر کرنے کے لیے سب سے زیادہ آسان راہ یہ ہے کہ ضمیر کا مرجع حضرت اسمٰعیل کو قرار دیا جائے جن کا ذکر اوپر ہوا ہے اور حضرت اسحاقؑ کو قرار دیا جائے جن کا ذکر بعد میں آیا ہے اور پھر ان دونوں کا ذکر بَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى إِسْحٰقَ میں ہو چکا ہے ۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ۔ پس اس تکلف کی مطلق ضرورت باقی نہیں رہتی کہ ذریت اسمٰعیل کو ذریت ابراہیم کے لفظ سے تعبیر کیا جائے ۔ یہ ایک صحیح نتیجہ تک غلط راہ سے پہنچنے کی کوشش ہے جو کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں ہے ۔ ہم جو بات کہتے ہیں وہ کلام کی ترکیب اور تاویل کے حسن اور اس کی جامعیت کے اعتبار سے نہایت صاف ہے ۔ اس کے واضح ہو جانے کے بعد فضول تکلفات کی مطلق ضرورت نہیں رہی ۔

گیارھویں دلیل

ذبیح کا نام مذکور نہ ہونا دلیل ہے کہ ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ ہی ہیں

۴۰ ۔ کسی شخص کو یہ اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے کہ اگر ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ ہی تھے تو قرآن نے ان کا نام صراحت کے ساتھ کیوں نہیں لیا ۔ کیونکہ یہی اعتراض بعینہٖ خود معترض پر بھی وارد ہو سکتا ہے کہ اگر ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہی تھے تو قرآن کا نام صاف صاف کیوں نہیں بتایا ، اور پھر لطف یہ ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کا نام نہ لینے کی تو کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی لیکن حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا نام نہ لینے کے بہت سے وجوہ ہیں ، جو پوشیدہ نہیں ہیں اور ہم ان میں سے بعض کی طرف یہاں اشارہ کرنا چاہتے ہیں ۔

۱ ۔ قرآن مجید کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ایسی باتوں سے ہمیشہ الگ رہتا ہے جو ایک کبھی نہ ختم ہونے والی بحث کا دروازہ کھول دیں ۔ اس طرح کی بحثوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حریف بحث و جدال میں اس قدر منہمک ہو جاتا ہے کہ اس کو سامنے کی دل نشین دلیلوں کی طرف توجہ کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی ۔ یہاں صورت حال یہ تھی کہ یہود نے حضرت اسحاقؑ کا نام حضرت اسماعیلؑ کے نام کی جگہ تورات میں داخل کر دیا تھا اور یہ تحریف پوری قوم کا ایک مضبوط اور راسخ عقیدہ بن چکی تھی ۔ اگر قرآن صاف صاف لفظوں میں اس کے خلاف کہتا تو اس کا نتیجہ صرف یہ ہوتا کہ یہود اپنی تحریفات کو لے کر قرآن کے اس دعوے کی تردید کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے اور مناظرہ و مجادلہ کے جوش میں قرآن کے اصلی دلائل پر غور کرنے کی ان کو فرصت ہی نصیب نہ ہوتی ۔ اس وجہ سے قرآن نے یہ راہ نہیں اختیار کی کیونکہ یہ حکمت کے منافی تھی ۔ بلکہ ایک دل نشین اور مؤثر راہ اختیار کی ، وہ یہ کہ ان کے سامنے ذبیح سے متعلق صرف اتنی بات پیش کی جتنی ان کے صحیفوں میں موجود تھی اور جو عقلاً بالکل واضح تھی ، تاکہ اس کے بعد نہ قرآن کے پاس بحث و مناظرہ کے لیے کوئی آڑ باقی رہ جائے اور نہ انکار کے لیے کوئی وجہ ۔ اور اہل کتاب سے اس نے جتنا کچھ بھی خطاب کیا ہے اس میں ہمیشہ یہی اصول

ملحوظ رکھا ہے، کبھی وہ پیغمبر کو مخاطب کرکے حکم دیتا ہے کہ ان سے اعراض کرو، کبھی مسلمانوں کو مخاطب کرکے حکم دیتا ہے کہ اہل کتاب سے جب بحث و گفتگو کی نوبت آئے تو ان سے عمدہ طریقے سے بحث کی جائے، کبھی اہل کتاب کو دعوت دیتا ہے کہ وہ خود اپنی مانی ہوئی باتوں کے بدیہی نتائج تسلیم کرنے سے فرار نہ اختیار کریں۔ ہم یہاں بعض مثالیں نقل کرتے ہیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ اہل کتاب کو مخاطب کرنے کا اسلوب قرآن مجید میں کیا ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے قرآن کہتا ہے :۔

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۔

(المائدہ ۔ ۱۳)

وہ کلمات کو ان کی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں اور انھوں نے بھلا دیا ایک حصہ اس کا جس سے ان کو یاد دہانی کی گئی ہے، اور تم برابر ان کی کسی نہ کسی خیانت سے آگاہ ہوتے رہو گے مگر ان میں کے تھوڑے (ہی جو اس سے محفوظ ہوں گے) پس ان کو معاف کرو اور ان سے درگزر کرو خدا بھلائی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اہل کتاب کو مخاطب کرکے کہتا ہے :۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۥ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (المائدہ ۔ ۱۵)

اے اہل کتاب! تمھارے پاس آگیا ہمارا رسول واضح کرتا ہوا تم پر بہت سی ایسی باتیں جو کتاب کی تم چھپاتے تھے اور بہت سی باتوں سے وہ درگزر کرتا ہے۔ تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اور ایک کھلی ہوئی کتاب آئی۔

دوسری جگہ ہے :۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آل عمران ۔ ۶۴)

کہہ دو اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان مشترک ہے۔ وہ یہ کہ ہم نہ اللہ کے سوا کسی کی پرستش کریں، اور نہ اس کا کسی چیز کو ساجھی قرار دیں، اور نہ ہم میں سے بعض بعض کو اللہ کے سوا رب بنائے۔

ایک جگہ ہے :۔

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (العنکبوت ۔ ۴۶)

اور اہل کتاب سے مجادلہ نہ کرو مگر اس طریقہ سے جو اچھا ہے۔

ایک اور جگہ ہے :۔

يَاأَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي
إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنْزِلَتِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنْجِيلُ
إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۔ هَا أَنْتُمْ
هَؤُلَاءِ حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ
تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَاللَّهُ يَعْلَمُ
وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (آل عمران ۶۵-۶۶)

اے اہل کتاب! تم کیوں جھگڑتے ہو ابراہیمؑ کے بارہ میں اور نہیں اتاری گئی تورات اور انجیل مگر اس کے بعد کیا تم نہیں سمجھتے ۔ تم وہ ہو کہ تم نے جھگڑا کیا ان باتوں میں جن کے بارہ میں تمہارے پاس کوئی علم تھا، پس کیوں جھگڑتے ہو ایسی چیزوں کے بارہ میں جن کے متعلق تمہارے پاس کوئی علم نہیں اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے ۔

قرآن مجید میں یہود سے اس طرح کے خطاب کی مثالیں بہت مل سکتی ہیں اور ان سے یہ امر اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے کبھی ان سے ایسے معاملات پر بحث نہیں کی ہے جن میں ان کا اعتماد ظاہر کتاب پر تھا ۔ چنانچہ یہی حکمت مقتضی ہوئی کہ ذبیح کا نام تصریح کے ساتھ نہ لیا جائے ۔ البتہ اگر ذبیح حضرت اسحٰقؑ ہوتے تو ان کے نام کو تصریح کے ساتھ ظاہر کرنے سے کوئی شے مانع نہ تھی ۔

۲ ۔ آباو اجداد پر فخر جاہلیت کی خصوصیات میں سے ہے، اسلام نے آدمی کے شرف و کمال کو اس کے ذاتی جوہر اور ذاتی اعمال پر مبنی قرار دیا ہے ۔ اس پہلو سے بھی یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کا نام تصریح کے ساتھ آنا مناسب نہ ہوا ۔ اوپر ذبیح کا واقعہ بیان ہوا تھا، اس کے بعد حضرت اسحاقؑ کا ذکر آیا ہے ۔ اگر اسی ذیل میں تصریح کے ساتھ یہ بات بھی کہہ دی جاتی کہ ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں تو اس کے معنی یہی ہوتے کہ اس تصریح سے مقصود اس امر کا اظہار ہے کہ اس شرف عظیم کے مالک ہم ہی ہیں ۔ اسلام کی نظروں میں یہ جذبہ محمود نہیں ہے لیکن جو لوگ حضرت اسحاقؑ کو ذبیح مانتے ہیں وہ کیا کہیں گے؟ آخر ان کا نام تصریح کے ساتھ نہ لینے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے ۔ ان کا ذکر اور ان کی بشارت متعدد مقامات میں موجود ہے، لیکن کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ یہ ذبیح ہیں ۔

۳ ۔ یہود نے صرف اسی پر بس نہیں کیا کہ حضرت اسمٰعیلؑ کو اس شرف عظیم سے محروم کر دینا چاہا بلکہ تورات میں یہ بھی لکھ دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو ان کی ماں کے ساتھ گھر سے باہر نکال دیا اور یہ کہ ان کی ماں حضرت ہاجرہ حضرت اسحاقؑ کی والدہ حضرت سارہ کی لونڈی تھیں ۔ اس جھوٹ اور اس توہین کا وبال اگرچہ یہود کے سر آیا اور ان کو مصر کی غلامی اور ذلت و مسکنت کی ایک طول طویل آزمائش سے دوچار ہونا پڑا جیسا کہ ہم تفسیر سورۃ اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ میں لکھ چکے ہیں لیکن آباء و اجداد کا گھمنڈ اس طرح ان کی گھٹی میں پڑا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بار بار تنبیہ کے باوجود یہ ان کے اندر سے نکل نہ سکا ۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو نہایت سخت لفظوں میں ان کے اس غرور پر سرزنش کی ہے ۔

"اے سانپ کے بچو تم کو کس نے جتا دیا کہ آنے والے غضب سے بھاگو ۔ پس توبہ کے موافق پھل لاؤ اور اپنے دلوں میں یہ کہنے کا خیال نہ کرو کہ ابراہام ہمارا باپ ہے کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا ان پتھروں سے ابرہام کے لیے اولاد پیدا کر سکتا ہے اور اب درختوں کی جڑ پر کلہاڑا رکھا ہوا ہے ۔" (متی باب ۳ ۔ ۱۰-۷)

یہود کی اس ذہنیت کی موجودگی میں اگر قرآن مجید کوئی ایسی بات کہتا جو عربوں کی عالی نسبی اور شرافت کی بحث چھیڑنے والی

مالی ہوتی۔ تو یقیناً اس سے یہود میں یہ جوش پیدا ہوتا کہ وہ ان تمام روایات کو ابھاریں جو انھوں نے حضرت ہاجرہؑ کے متعلق گھڑ رکھی ہیں اور قرآن مجید اس طرح کی کوئی بحث کبھی پسند نہیں کرتا جو لا حاصل نزاعات کا دروازہ کھول دے۔ چنانچہ دیکھو کہ قرآن مجید میں حضرت سارہ کا ذکر بار بار آیا ہے لیکن حضرت ہاجرہؑ کا ذکر ایک جگہ بھی وارد نہیں۔ اسی طرح ذبیح کی فضیلت کے متعلق بھی مناسب راہ یہی تھی کہ تصریح کے ساتھ یہ بات نہ کہی جائے کہ یہ فضیلت صرف بنی اسمٰعیل ہی کے لیے مخصوص ہے۔

غرض ذبیح کا نام کے ساتھ مذکور نہ ہونا ایک بہت بڑی دلیل اس بات کی ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیلؑ ہی ہیں۔ اگرچہ ان کا نام واضح طور پر نہیں دیا گیا ہے لیکن بکثرت دلائل موجود ہیں جو قطعیت کے ساتھ متعین کر رہے ہیں کہ ان کے سوا کوئی دوسرا ذبیح نہیں ہو سکتا۔

۴۔ تورات میں بکثرت دلائل اس بات کے موجود تھے کہ ذبیح صرف حضرت اسماعیلؑ ہی ہو سکتے ہیں۔ وہی اکلوتے بیٹے ہیں۔ وہی اس دائمی برکت سے نوازے گئے جس میں سے تمام قومیں حصہ پانے والی تھیں۔ علاوہ ازیں دوسرے فضائل بھی ان کے بیان ہوئے تھے۔ نیز یہ امر بھی مخفی نہ تھا کہ یہود حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد کے دشمن ہیں، ان حالات کی موجودگی میں بہتر یہی تھا کہ قرآن صرف انہی دلائل کے بیان پر کفایت کرے جو ان کے دشمنوں کے پاس موجود ہیں اور خود اپنی طرف سے کوئی تصریح اس بارہ میں نہ کرے۔

اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ

اصل شرف وہی ہے جس کی مخالف گواہی دے

بالخصوص اس وقت تو اس شہادت کی قیمت بہت بڑھ جاتی ہے جب یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہ دلائل یہود کی خواہش کے بالکل خلاف اور ان کی تحریف اور کتمانِ حق کی عام کوششوں کے علی الرغم بچ رہے۔

یہ شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ممکن ہے قرآن نے قصداً حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کی فضیلت کو حذف کر دیا ہو کیونکہ پورا قرآن انبیائے بنی اسرائیل کے فضائل سے معمور ہے۔ بلکہ تورات میں یہود نے ان مقدس انبیاء پر جو خلافِ شان الزامات لگائے ہیں، قرآن نے ان کو ان الزامات سے بری کیا ہے۔ ایسی حالت میں کیونکر ممکن تھا کہ ذبیح کی فضیلت حضرت اسحاق علیہ السلام کے لیے مخصوص ہوتے ہوئے قرآن اس کے ذکر کرنے میں بخل کرتا۔

بارھویں دلیل

حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے حالات سے ایک جامع استدلال

۲۱۔ ذبح کا واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت کا ایک ٹکڑا ہے اور اس کا ایک مخصوص موقع اور مخصوص ماحول ہے جس سے کسی طرح ہم اس کو علیحدہ نہیں کر سکتے۔ اس وجہ سے اس پر غور کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس کے ہر پہلو سے اس پر نظر ڈالی جائے، کوئی پہلو بھی چھوٹنے نہ پائے۔ اگر اس طرح غور کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آ جائے گی کہ ذبیح حضرت اسماعیلؑ

ہی ہو سکتے ہیں، حضرت اسحاق علیہ السلام نہیں ہو سکتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات کے مطالعہ سے ان کی سیرت کے دو حصے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ایک حصہ ان کی دینی سیرت کا ہے جو کمال بندگی واخلاص سے عبارت ہے اور دوسرا حصہ ان کی دنیاوی سیرت کا ہے جو فیاضی و ہمدردی کی ایک بہترین مثال ہے۔ یہ فرق ہم نے محض باعتبار ظاہر قائم کیا ہے ورنہ حقیقت کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بہرحال پہلا حصہ ان کا اس دور میں نمایاں ہوتا ہے جس میں انھوں نے مکہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ کعبہ کی تعمیر کی۔ حج قائم کیا اور وہاں اپنی اولاد کو آباد کیا۔ اور دوسرا حصہ اس دور میں نمایاں ہوتا ہے جب وہ کنعان کے خیمہ میں نظر آتے ہیں۔ لوگوں کی میزبانی کرتے ہیں اور قوم لوط کے بارہ میں اپنے رب سے مجادلہ کرتے ہیں۔ اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ذبح کا واقعہ ان کی زندگی کے کس دور سے متعلق ہے۔ پہلے دور سے یا دوسرے دور سے؟ یقیناً پہلے دور سے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت کا واقعہ اس دوسرے دور سے تعلق رکھتا ہے۔

اس اجمال کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ سمجھ لینا چاہیے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو چھوڑ کر ہجرت فرمائی تو ان کی یہ ہجرت کسی بڑے دینی مقصد کے لیے تھی چنانچہ قرآن مجید ہے۔

اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ۔ (الصّٰفّٰت - ۹۹)	میں اپنے پروردگار کی طرف جاتا ہوں، وہ میری رہبری فرمائے گا۔

اور جب انھوں نے اپنی قوم اور اپنے خاندان کو چھوڑا ہے تو اپنے پروردگار سے دعا کی ہے کہ ان کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ان کی دعا اپنے ماسبق کے ساتھ یوں مذکور ہے۔

رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ (الصّٰفّٰت - ۱۰۰)	پروردگار مجھے صالح اولاد میں سے بخش۔

پروردگار نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی۔ چنانچہ قرآن مجید نے اس قبولیت کا ذکر اس کے ماسبق کے ساتھ یوں فرمایا:۔

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ (الصّٰفّٰت - ۱۰۱)	پس ہم نے اس کو ایک حلیم بیٹے کی خوشخبری دی۔

قرآن نے ان باتوں کو نہایت اختصار کے ساتھ بیان کر دیا ہے لیکن تورات میں یہ داستان بہت پھیلی ہوئی ہے۔ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کثیر مقدار میں مال بخشا، خدم وحشم عنایت کیے یہاں تک کہ ان کے اور ان کے بھتیجے حضرت لوط کے مویشیوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہوئی کہ ان کے دیار غربت کی تمام چراگاہیں ان کے لیے تنگ ہو گئیں۔ مجبوراً ان کو الگ الگ ہونا پڑا۔ حضرت لوطؑ شمال کی طرف گئے اور حضرت ابراہیمؑ جنوب کی طرف بڑھے۔ تورات کی یہ تصریحات قرآن کے مطابق ہیں کیونکہ یہ معلوم ہے کہ لوط علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کی تھی، لیکن جب ان کی قوم پر عذاب آیا ہے تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ نہ تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بہت پہلے الگ ہو گئے تھے۔ اور اس علیحدگی کا واقعہ جس طرح تورات میں بیان ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جنوب کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی سکونت کے لیے ایک ایسی زمین منتخب کی جو حضرت لوط علیہ السلام کے مسکن کے مقابلہ میں کم زرخیز تھی۔ نیز اس کا بھی پتہ چلتا ہے

کہ انھوں نے سات کنویں کھود دے، اور اثل کے درخت لگائے (غالباً نخل کے) یہ تمام باتیں قرآن کے موافق ہیں۔ قرآن نے ان کا مکہ میں آنا اور وہاں اپنی ذریت کو آباد کرنا بیان کیا ہے۔ واقعات کے اس پورے سلسلہ سے یہ بات آپ سے آپ نکلتی ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی علیحدگی اور ان کی قوم پر عذاب آنے کے واقعہ میں ایک بڑی مدت کا فاصلہ حائل ہو۔ کیونکہ یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔ جب پیغمبر تبلیغ و دعوت اور اتمام حجت کے تمام حقوق کر چکتا ہے، لیکن قوم اس کے بعد بھی ہدایت قبول نہیں کرتی تب عذاب آتا ہے۔ پس اس مدت میں حضرت لوط علیہ السلام برابر اپنی تبلیغ و دعوت کی سرگرمیوں میں مشغول رہے ہوں گے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام آہستہ آہستہ اپنی ہجرت کی آخری منزل کی طرف بڑھتے رہے ہوں گے۔ یہاں تک کہ اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ وادی مکہ میں پہنچ گئے۔ وہاں بیت اللہ کی تعمیر کی اور اس کو ذکر و شکر نیز خدا کے حضور ہدیے گزرانے کا مرکز قرار دیا تاکہ جو غرباء حج و زیارت اور دعا کے لیے وہاں آئیں ان کی میزبانی ہو سکے، اور اس گھر کی خدمت کے لیے اپنی ذریت کو وہاں آباد کیا۔ اسی زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی قربانی کا حکم دے کر ان کی جانچ کی۔ وہ اس جانچ میں پورے اترے بیٹے کو قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی قربانی کے عوض اس کو چھڑا لیا۔

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت کا دینی حصہ ہے اور تمام تر مکہ سے متعلق ہے اس کو ذہن میں رکھو۔

باقی رہا ان کی سیرتِ طیبہ کا دنیاوی حصہ، تو اس کا جلوہ اس وقت نظر آتا ہے جب ہم ان کو حضرت لوط کی بستی سے قریب کنعان کے خیمہ میں پاتے ہیں۔ جب کہ ملائکہ ان کے پاس آتے ہیں، وہ ان کی میزبانی کا سامان کرتے ہیں اور جب معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ فرشتے ہیں اور قومِ لوط کے لیے عذاب لے کر نازل ہوئے ہیں تو دردمندی اور ہمدردی سے مجبور ہو کر اپنے پروردگار سے مجادلہ کرتے ہیں اس وقت فرشتے ان کو حضرت اسحاقؑ کی ولادت کی بشارت دیتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے ان دونوں حصوں کو نگاہ میں رکھو۔ ایک مرتبہ تم ان کو مکہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ نبوت و امامت کے مہمات میں مشغول پاتے ہو، وہ بیٹے کو ساتھ لے کر بیت اللہ کی تعمیر کرتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔ طواف کرتے ہیں، لوگوں میں حج کی منادی کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کے پاس آئیں اور مناسکِ حج اور دینِ فطرت کی تعلیم حاصل کریں۔

پھر تم ان کو کنعان میں ان کی بدوی ریاست کے اندر دیکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مال و جاہ بخشا ہے، وہ مہمانوں کی میزبانی کرتے ہیں، غریبوں کی ہمدردی کرتے ہیں۔

واقعات کے یہ دو سلسلے ہیں، اب غور کرو کہ قربانی کا واقعہ کس سلسلہ کی کڑی ہو سکتا ہے، لیکن اس سوال کا جواب دینے سے پہلے چند امور پیشِ نظر رکھ لینا نہایت ضروری ہے۔

۱۔ قربانی کے واقعہ کو بیت اللہ، مقام قربانی، اور مرکز نماز سے علیحدہ نہیں ہونا چاہیے۔

۲۔ جس ذبیح کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قربان کیا، ضروری ہے کہ وہی بیت اللہ کا خادم اور اس کے جوار کا بسنے والا ہو۔

۳۔ اس گھر اور اس قربان گاہ کے لیے ضروری ہے کہ یہ خدا کی تعظیم اور اس کی بندگی کے سب سے بڑے مرکز قرار پائیں۔

۴۔ اس قربانی اور ان تمام شعائر کو اگر اللہ تعالیٰ نے قبولیت کی عزت بخشی تو ضروری ہے کہ یہ ہمیشہ باقی رہیں۔

۵۔ پھر بھی یہ لازمی ہے کہ اس گھر کو اللہ تعالیٰ دشمنوں کی چالوں سے محفوظ رکھے۔

اب دیکھو کہ قرآن نے ان تمام باتوں کو کس طرح بیان کیا ہے:

۱۔ قرآن کا بیان ہے کہ بیت اللہ پہلا گھر ہے جو لوگوں کے لیے اطاعت و عبادتِ الٰہی کا مرکز بنایا گیا، اس کا حج فرض کیا گیا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ وہ لوگوں میں اس حج کی منادی کر دیں۔

۲۔ قرآن کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام اس گھر کے معمار اور خادم بنے۔

۳۔ قرآن کا بیان ہے کہ صفا اور مروہ شعائر اللہ میں داخل ہیں اور قربان گاہ بیت اللہ کے پاس ہے۔

۴۔ قرآن کا بیان ہے کہ بیت اللہ کا حج اور اس کے پاس قربانی کرنا ایک ابدی سنت ہے اور یہ سنت ہمیشہ قائم رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ذبح عظیم قرار دیا ہے۔

۵۔ قرآن کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو دشمنوں کی چالوں سے محفوظ کیا ہے۔

یہ پانچ نہایت اہم اور اصولی باتیں ہیں جو واقعۂ ذبح سے متعلق اور باہم دگر ایک زنجیر کی مختلف کڑیوں کی طرح وابستہ ہیں۔ جو شخص ان باتوں پر پوری طرح غور کرے گا اس کو اس امر میں ذرہ برابر بھی شبہ باقی نہ رہے گا کہ ذبیح صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہو سکتے ہیں۔ ان کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا اور اگر ہمارے دعوے کو مبالغہ پر محمول نہ کیا جائے تو ہم یہاں تک کہہ سکتے ہیں کہ ان باتوں میں سے ہر بات الگ الگ بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے کی اپنے اندر کافی شہادت رکھتی ہے۔ اس لیے کہ جز سے کل پر اور کل کے باقی اجزاء پر استدلال کرنا ایک نہایت ہی معروف اور مشہور اصل ہے۔ چنانچہ اگلے علماء نے بھی اس سے استدلال کیا ہے۔ فصل ۲۶ میں جہاں ہم ان کے اقوال بیان کریں گے وہاں اس کا ذکر کریں گے۔ اقوال کے ضمن میں آپ کو ابو عمرو بن العلاء رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول نہایت ہی بلیغ و لطیف ملے گا۔

یہ دلیل جو اوپر ہم نے بیان کی ہے، یہ جامع دلائل کے قسم میں داخل ہے۔ اس میں استدلال کا ڈھب یہ ہے کہ ایک دعویٰ پر دلیل لانے والے مختلف امور کو ایک نقطے کے اردگرد جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اصل مقصد پر ان سے جملۃً و انفراداً دونوں طریق سے استدلال کیا گیا ہے۔

اس تمام تفصیل سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی کہ چونکہ یہ امور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے اور بعض دوسرے حقائق کو جن پر یہود نے پردے ڈال رکھے تھے، پوری طرح بے نقاب کر رہے تھے اس لیے قرآن نے اس معاملہ کو، ان مصالح کی بنا پر جو اٹھارھویں فصل میں بیان ہوئے تفصیل و تصریح کے ساتھ بیان کرنے کا اہتمام نہیں کیا۔ لیکن حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ کے ذیل میں تمام امور کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔ ہم نے ان کو تفصیل کا رنگ دے دیا ہے۔

علاوہ ازیں قرآن نے بعض حقائق کی طرف بطریق تردید اشارے کیے ہیں۔ ہم اگلی فصل میں ان کو روشنی میں لانا چاہتا ہے۔

تیرھویں دلیل

یہود کی تحریفات اور ان کی تردید

۲۲۔ پچھلی فصل میں وہ تمام امور بیان ہوئے ہیں جو حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام، مکہ مکرمہ اور تعمیر بیت اللہ نیز

اس کے جواب میں ذریت ابراہیمؑ کی سکونت اور اس کے قربان گاہ اور مرکز ہونے سے متعلق نہایت اہم تھے، اور جن کا اظہار و بیان مناسب تھا۔ ان کی روشنی میں یہ بالکل واضح ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیلؑ ہی ہیں۔ اب اس فصل میں ہم دکھانا چاہتے ہیں کہ ان معاملات میں اصل حقیقت کو چھپانے کے لیے یہود نے تحریف و تغیر کے کیا کیا جامے تراشے اور بالآخر قرآن نے ان تمام پردوں کو کس طرح چاک کر کے اصل حقیقت کو بے نقاب کیا۔

یہود کی یہی شرارتیں تھیں جن کی طرف قرآن نے جا بجا اشارے کیے ہیں۔ مثلاً:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (آل عمران - ۷۰-۷۱)

اے اہل کتاب! کیوں اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہو، حالانکہ تم ان سے باخبر ہو۔ اے اہل کتاب! کیوں حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ کرتے ہو اور حق کو چھپاتے ہو، درآنحالیکہ تم جانتے ہو۔

دوسری جگہ فرمایا:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ قَدْ جَاۗءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۔ (المائدہ - ۱۵)

اے اہل کتاب! آ چکا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول، کھولتا ہے وہ بہت سی باتیں جو تم کتاب میں سے چھپاتے تھے، اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے۔ آ چکی ہے تمہارے پاس اللہ کے پاس سے روشنی اور ایک واضح کتاب۔

اس مضمون کی آیتیں بہت ہیں۔

یہاں ہم صرف سادہ طور پر دلائل کو بیان کر دینے پر قناعت نہیں کرنا چاہتے بلکہ یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ قرآن نے خود یہود سے اس مسئلہ پر کس انداز سے مناظرہ کیا ہے اور ان کی حق پوشی پر ان کو کس طرح تنبیہ فرمائی ہے۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ یہ امور قرآن کی نگاہوں میں کتنے اہم ہیں اور یہود نے حسد اور دشمنی کے سبب سے ان پر پردہ ڈال کر کتنی سخت و شدید تحریف کا ارتکاب کیا ہے۔

یہود نے اس مسئلہ میں حق کو چھپانے کی جو راہیں اختیار کی ہیں، ویسے تو وہ بہت سی ہیں لیکن ان میں سے پانچ نہایت اہم ہیں۔ ہم بحث کے غیر ضروری پھیلاؤ سے بچنے کے لیے انہی پانچ کا ذکر کریں گے اور ساتھ ہی واضح کریں گے کہ قرآن نے اپنے عجیب و غریب نظم اور اپنے لطیف طریق استدلال سے کس طرح ان غلطیوں کی تردید کر دی ہے کہ اصل حقیقت بھی بے پردہ ہو کر سامنے آگئی ہے اور وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ کا اصول بھی پورے اہتمام کے ساتھ ملحوظ رہا ہے۔

۱- سب سے پہلے یہود نے یہ کیا کہ بیت اللہ کو ـــــ جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیلؑ کو ساتھ لے کر بنایا، جو لوگوں کا مرکز قرار پایا، جو حج و نماز کا مخصوص مقام ہوا ـ یہود نے اپنے ہاں سے بالکل ہی غائب کر دیا۔ تورات میں لکھا ہے کہ ابراہیمؑ نے بیت اللہ کے پورب جانب سکونت اختیار کی، وہاں ایک قربان گاہ بنائی اور اللہ سے دعا کی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی بعثت کے بعد یہود نے یہ دعویٰ شروع کر دیا کہ "بیت اللہ" وہی ہے جو ان کے ہاں ہے، حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کے بیت اللہ کی تعمیر حضرت سلیمانؑ نے کرائی ہے، اس کی تعمیر حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں نہیں ہوئی ہے۔ قرآن مجید نے ان کے اس دعویٰ کی تردید کی۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ۝ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ۝ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ۝ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ تَبْغُونَهَا عِوَجًا وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (آل عمران - ٩٦-٩٩)

بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہ ہے جو بکہ میں ہے، سرچشمۂ برکت اور لوگوں کے لیے ہدایت، اس میں واضح نشانیاں ہیں، ابراہیم کے قیام کی جگہ اور جو اس میں داخل ہوا مامون ہوا، اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے، جو وہاں پہنچنے کی طاقت پائے، اور جس نے انکار کیا تو اللہ دنیا والوں سے بے پروا ہے۔ کہو، اے اہل کتاب! اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو اور اللہ تمہارے کاموں پر شاہد ہے۔ کہو، اے اہل کتاب! کیوں روکتے ہو اللہ کی راہ سے ان کو جو ایمان لائے۔ خدا کی راہ میں کجی پیدا کرنا چاہتے ہو، حالانکہ تم گواہ ہو، اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے۔

یہاں نہایت قطعی دلائل سے قرآن مجید نے ثابت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ بیت بکہ کا بیت اللہ ہے اسی کو انھوں نے تعمیر کیا اور اسی کے پاس کھڑے ہو کر لوگوں کے لیے برکت و امن کی اور اس گھر کے لیے محبوبیت و جاذبیت قلوب کی دعا فرمائی۔ چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی اور اس کے آثار اس کے چپہ چپہ سے ہویدا ہیں۔

یہاں استدلال کا جو ڈھب قرآن نے اختیار کیا ہے اس کو سادہ لفظوں میں یوں سمجھنا چاہیے کہ بیت اللہ کی تین صفتوں پر قرآن نے تین دلیلوں سے حجت قائم کی ہے۔

بیت اللہ کی اولیت پر اس امر سے دلیل پیش کی ہے کہ وہ بالاتفاق حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مسکن ہے۔

اس کے سرچشمۂ خیر و برکت ہونے پر اس امر سے دلیل پیش کی ہے کہ باوجودیکہ اس کے جوار کے باشندے بڑے جنگجو تھے تاہم وہ ہر دور میں سب کے نزدیک مامون و محترم رہا۔

اس کے سرچشمۂ ہدایت ہونے پر اس امر سے استدلال کیا کہ اس کا حج فرض ہوا اور یہ تاریخ کی ایک عجیب حقیقت ہے کہ باوجود شرک کے غلبہ کے عربوں میں اللہ واحد کا ذکر کسی نہ کسی شکل میں ضرور باقی رہا۔

اس کے بعد اہل کتاب کے کفر و انکار پر تنبیہ فرمائی ہے۔ نیز بلد کا ذکر بکہ کے لفظ سے کیا جس کے معنی بلد کے ہیں اور یہی لفظ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا، اس طرح وہ تحریف آپ سے آپ بے نقاب ہو گئی جو مزمور ۸۴ میں ملتی ہے۔ جہاں انھوں نے بکہ کو "وادی بکا" کر دیا ہے۔

۲۔ اسی طرح یہود اس مشہور قربان گاہ کو جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قربانی کی، اپنے ہاں بیت المقدس کے پاس بتاتے ہیں۔ اس باب میں انھوں نے جو تحریفیں کی ہیں وہ آٹھویں فصل میں بیان ہو چکی ہیں اور ہم نے ناقابل تردید دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ جزء مروہ کعبہ کے پاس وہی ابراہیمی قربان گاہ ہے۔ اس اخفائے حق سے یہود کا مقصود یہ تھا کہ اس قربانی کی نسبت سے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی ذریت کے لیے ایک دائمی عزت و عظمت اور ابدی امامت و سیادت دینی کی جو وراثت محفوظ ہو رہی ہے اس کو چھین لیں لیکن قرآن نے یہ تمام اسرار بے نقاب کر دیے۔ چنانچہ جس وقت مسلمانوں کو ابراہیمی قبلہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا اور یہود نے جوش حسد میں اس پر نکتہ چینی کی تو ایک طرف تو قرآن نے مسلمانوں کو مطمئن کیا۔ اور دوسری طرف یہود کو نہایت سخت الفاظ میں تنبیہ فرمائی۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ
يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ
وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ
يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۔
فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِيْ
وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا
اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ
اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۔ وَلَا تَقُوْلُوْا
لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ
بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۔ وَ
لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ
الْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ
وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۔
الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا
اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۔ اُولٰٓئِكَ
عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ
وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۔ اِنَّ الصَّفَا
وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ
حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ

چنانچہ بھیجا ہم نے تم میں سے ایک رسول تم ہی میں سے سناتا ہے تم کو ہماری آیتیں اور پاک کرتا ہے اور شریعت اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمھیں وہ چیز سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے، پس مجھ کو یاد رکھو میں تم کو یاد رکھوں گا اور میری شکر گزاری کرو۔ نافرمانی نہ کرو۔ اے ایمان والو! مدد چاہو صبر اور نماز کے ذریعے۔ بے شک اللہ ثابت قدموں کے ساتھ ہے۔ اور جو اللہ کی راہ میں قتل ہوتے ہیں ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم احساس نہیں کرتے۔ اور ہم تم کو آزمائیں گے کسی قدر خوف، بھوک اور مالوں، جانوں اور پھلوں کی کمی سے۔ اور خوشخبری دو ان ثابت قدموں کو جن کو اگر کوئی دکھ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور ہم کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ یہی ہیں کہ جن پر ان کے پروردگار کی جانب سے برکتیں اور رحمت ہے اور وہی لوگ راہ یاب ہیں۔ صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں، پس جو حج کرے یا عمرہ کرے اس پر کوئی حرج نہیں کہ ان دونوں کا طواف کرے (صفا اور مروہ پر زمانۂ جاہلیت میں دو بت رکھے ہوئے تھے اور گویا سعی کے وقت ان ہی کی تعظیم پیش نظر ہوتی تھی۔ مسلمان اسی کی وجہ سے کھٹکے تو اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ یہ ذکر و شکر کے مقامات میں سے

خَيْرًا فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ أُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولٰٓئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔

(البقرہ ۔ ۱۵۸-۱۶۰)

ہیں اس لیے شعائر اللہ میں داخل ہیں اور ان کے طواف میں مضائقہ نہیں) اور جس نے راضی خوشی مزید نیکی کی تو اللہ قبول کرنے والا اور جاننے والا ہے۔ جو لوگ چھپاتے ہیں ان کھلی کھلی دلیلوں کو جو ہم نے اتاری ہیں اور ہدایت کو بعد اس کے کہ ہم نے اس کو کھول دیا لوگوں کے لیے کتاب میں، وہی ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں مگر ہاں جنھوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کی اور بیان کر دیا تو میں ان لوگوں کی توبہ قبول کروں گا اور میں توبہ قبول کرنے والا اور رحم والا ہوں۔

ان آیات کے دقیق و لطیف نظم پر اگر غور کرو گے تو تمھارے سامنے پانچ باتیں نہایت عمدہ ترتیب کے ساتھ آئیں گی۔

۱۔ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر ہے جو ٹھیک ٹھیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور ان کی بیان کردہ صفات کے مطابق ہے۔

۲۔ پھر اس دین حنیفی کی اصل و اساس کا ذکر ہے جس کے آپ داعی تھے۔ یعنی ذکر، شکر، صبر اور نماز۔

۳۔ اس کے بعد اس برکت و رحمت کی بشارت ہے جو اس کے پیروؤں کے لیے مخصوص ہے۔

۴۔ بعد ازاں صفا اور مروہ کا ذکر آتا ہے جن کے درمیان حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کے ساتھ فدویت و جانبازی کے جوش سے معمور ہو کر سعی فرمائی، اور جہاں عزیز لخت جگر کو قربان کر کے ہمیشہ کے لیے صبر و نماز اور ذکر و شکر کی یادگار قائم کر دی اور جس کے شرف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پہاڑیوں کو اپنے قابل تعظیم شعائر میں شمار فرمایا۔

۵۔ پھر سب سے آخر میں ان لوگوں کو ملامت فرمائی ہے جنھوں نے ان مقامات کا ذکر اپنے صحیفوں سے بربنائے حسد غائب کر دیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے نہایت وضاحت کے ساتھ ان کا ذکر فرمایا تھا۔

جو لوگ یہود و نصاریٰ کے حالات سے واقف اور ان کی ان کوششوں سے باخبر ہیں جو انھوں نے مقام مروہ کو گم کر دینے کے لیے صرف کی ہیں اور جن کی تفصیلات ہم کتاب کی آٹھویں فصل میں پیش کر چکے ہیں وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اس امر میں متردد نہ ہوں گے کہ یہاں یہود کی انھی تحریفات کی طرف اشارہ ہے جو انھوں نے حضرت اسماعیلؑ اور ان کی ذریت کی دشمنی میں مروہ کے نام، اس کے املا، اور اس کے مقام کی تعیین میں کی ہیں۔ اس آیت میں ان کی انہی تحریفات کی نہایت لطیف انداز میں تردید ہے۔

۳۔ تیسرا عظیم الشان فتنہ وہ قصہ ہے جو انھوں نے حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ کے اخراج سے متعلق گھڑا ہے کہ چونکہ حضرت سارہ حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ سے نفرت کرتی تھیں، ان کی خواہش یہ تھی کہ حضرت اسماعیلؑ حضرت اسحاقؑ کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کی وراثت میں شریک نہ ہوں، اس لیے حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ کو فاران کے بیابان کی طرف نکال دیا۔ حالانکہ یہ واقعہ جس صورت میں ان کے صحیفوں میں بیان ہوا ہے، اس میں اس قدر کھلا ہوا تضاد موجود ہے کہ ہر صاحب نظر اس کو بالکل لغو قصہ

خیال کرنے پر مجبور ہے اور اس زمانہ میں تو خود ان کے اپنے اندر کے بہت سے ناقدین نے اس کی لغویت کا اعتراف کر لیا ہے۔

قرآن مجید نے اس واقعہ کی تردید کے لیے اس امر کی تصریح فرمائی کہ حضرت ابراہیم نے اپنی اولاد کو بیت اللہ کے جوار میں بسایا تو وہاں ان کو بسانے کا مقصد یہ تھا کہ وہ حج اور نماز قائم کریں — چنانچہ فرمایا:

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ (ابراہیم - ۳۷)	اے ہمارے رب میں نے اپنی بعض ذریت کو ایک وادی غیر ذی زرع میں تیرے محترم گھر کے پاس بسایا ہے، اے ہمارے رب! تاکہ یہ نماز قائم کریں، پس تو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو پھلوں کی روزی عنایت کر تاکہ یہ تیرے شکر گزار رہیں۔

پھر اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے جہاں تحویل قبلہ کے بارے میں اہل کتاب کے اعتراضات کی تردید کی ہے۔ اس مقام پر صاف کھول دیا ہے کہ بیت اللہ کے پاس حضرت اسمٰعیل کے بسانے کا مقصد کیا تھا۔ یہود جس واقعہ کو اس لیے بیان کرتے ہیں کہ اس سے حضرت اسماعیلؑ کی منقصت لازم آئے، قرآن اسی واقعہ کو حضرت اسماعیلؑ کے لازوال شرف کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ فاران میں ان کا آنا اس لیے تھا کہ بیت اللہ کی تعمیر میں اپنے باپ کے شریک اور اس کے مقاصد و اغراض کے قیام و اہتمام میں ان کے خلیفہ ہوں، اور خدا کے مقدس گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے لیے شرک کی نجاستوں سے پاک رکھیں۔ فرمایا:

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ، وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۔ وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ۔ وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ	اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد رکھو جو میں نے تم کو بخشی اور میں نے تم کو برتری دی لوگوں پر، اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی جان کسی دوسری جان کے کام نہ آئے گی اور نہ اس کی طرف سے کوئی معاوضہ قبول ہوگا، اور نہ کسی کی سفارش سے کچھ فائدہ ہوگا، اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔ اور جب کہ جانچا ابراہیم علیہ السلام کو اس کے پروردگار نے چند باتوں میں پس اس نے وہ پوری کر دیں تو اس نے کہا میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔ پوچھا اور میری اولاد میں سے؟ کہا میرا عہد ظالموں کو شامل نہیں ہے۔ اور جب کہ ہم نے بنایا بیت اللہ کو لوگوں کے لیے مرجع اور امن کا مقام اور کہا ابراہیم کے جائے قیام کو نماز کی جگہ قرار دو اور ابراہیم و اسمٰعیل کو حکم دیا کہ میرے گھر کا طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں

السُّجُودِ ۔ وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ
هٰذَا بَلَدًا آمِنًا وَّارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ
الثَّمَرٰتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا
ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ
الْمَصِيرُ ۔ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرٰهِيمُ الْقَوَاعِدَ
مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمٰعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا
إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۔ رَبَّنَا وَ
اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا
أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا
وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ
الرَّحِيمُ ۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا
مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ
أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۔ وَمَنْ يَّرْغَبُ
عَنْ مِّلَّةِ إِبْرٰهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ
وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ
فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِينَ ۔ إِذْ قَالَ
لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ
الْعٰلَمِينَ ۔ وَوَصّٰى بِهَا إِبْرٰهِيمُ بَنِيهِ وَ
يَعْقُوبُ يٰبَنِيَّ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّينَ
فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ ۔ أَمْ كُنْتُمْ
شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ
لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي قَالُوا
نَعْبُدُ إِلٰهَكَ وَإِلٰهَ آبَائِكَ
إِبْرٰهِيمَ وَإِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ
إِلٰهًا وَّاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۔

کے لیے پاک رکھو ۔ اور جب کہ ابراہیمؑ نے دعا کی اے
پروردگار! اس کو امن کا شہر بنا اور اس کے بسنے والوں کو
جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائیں پھلوں کی روزی دے
کہا اور جو کفر کریں گے کچھ دن میں ان کو بھی فائدہ اٹھانے
کی فرصت دوں گا ، پھر ان کو دوزخ کے عذاب کی طرف
دھکیلوں گا اور وہ برا ٹھکانہ ہے ۔ اور جب کہ ابراہیمؑ
اٹھا رہے تھے بیت اللہ کی بنیادیں اور اسماعیلؑ اور دعا
کر رہے تھے ہمارے پروردگار! ہماری دعا قبول فرما ۔ تو
ہی سننے جاننے والا ہے ۔ پروردگار! بنا ہم کو اپنا فرمانبردار
اور ہماری ذریت میں سے اپنی ایک فرمانبردار امت اٹھا ۔
اور سکھا ہم کو ہماری عبادت کے طریقے اور ہماری توبہ قبول
فرما بے شک تو توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ، اے
ہمارے پروردگار! اور اٹھا ان میں سے ایک رسول ، ان ہی
میں سے ، سنائے ان کو تیری آیتیں اور سکھائے ان کو
شریعت و حکمت اور ان کو پاک کرے ، بیشک تو غالب
حکمت والا ہے ۔ اور کون ہے جو ابراہیم کے طریقہ سے انحراف
کرے مگر وہ جس کی عقل ماری گئی ہو اور ہم نے اس کو برگزیدہ
کیا دنیا میں اور وہ آخرت میں نیکوں کے زمرہ میں ہوگا جبکہ
کہا اس سے اس کے پروردگار نے سرنگندہ ہو جاؤ ، کہا اس
نے میں سرنگندہ ہوا عالم کے پروردگار کے حضور ۔ اور اسی
کی وصیت کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے کہ اے
میرے بیٹو! بے شک اللہ تعالیٰ نے چنا ہے تمہارے لیے
دین کو پس نہ مرو مگر مسلم ۔ کیا تم موجود تھے جب یعقوب کی موت
کا وقت آیا جب کہ اس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا میرے بعد
کس کی عبادت کرو گے ؟ انھوں نے جواب دیا ہم آپ کے
معبود اور آپ کے بزرگوں ابراہیم ، اسماعیل اور اسحاق کے
معبود ، معبود واحد کی پوجا کریں گے اور اسی کے فرمانبردار

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (البقرۃ ۱۳۴-۱۴۱)

رہیں گے۔ یہ ایک امت تھی جو گزر گئی، اس کے لیے جو اس نے کمایا اور تمھارے لیے ہے جو تم نے کمایا، اور تم سے ان کے کاموں کی بابت سوال نہ ہوگا۔

یہود کی تردید کا یہ سلسلہ لمبا ہے اور مختلف پہلوؤں سے ان پر مختلف باتیں خود ان کے اپنے اعترافات اور ان کے اپنے صحیفوں کے بیانات کی روشنی میں عائد کی گئی ہیں۔ اس وقت ہم سب کی تفصیل میں پڑنا نہیں چاہتے۔ ہم نے صرف اتنے حصہ کو لیا ہے جس کے دلائل کی موجودگی میں ان کے لیے ملت ابراہیم کی پیروی ضروری ہے۔ ساتھ ہی مرکز ملت ابراہیمی، اور اس کے مناسک و مراسم، حضرت اسمٰعیل کا تقدم، باپ کے ساتھ امامتِ عامہ میں ان کی شرکت، نیز بیت اللہ کے جوار میں ان کی سکونت کی اصلی غرض اور یہود کے من گھڑت قصہ اخراج کی تردید وغیرہ امور بھی سامنے آگئے ہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ تعجب ان لوگوں کے حال پر ہے جنھوں نے یہ بے ہودہ افسانہ یہود کی زبانی سن کر اس کو سچ باور کر لیا اور پھر اس کو سعی صفا و مروہ کے اسباب کے سلسلہ میں ایک مصدق و مسلم روایت کی حیثیت سے بیان کر دیا۔

قرآن نے مسلمانوں کو اسی خطرہ سے آگاہ فرمایا تھا۔

وَدَّتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّونَكُمْ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ (آل عمران ۶۹)

اور اہل کتاب کے ایک گروہ کی تمنا ہے کہ وہ کسی طرح تم کو بھٹکا دیں، اور وہ نہیں بھٹکاتے ہیں مگر اپنے آپ کو۔ لیکن وہ اس بات کو محسوس نہیں کرتے۔

۴۔ اسی طرح کی ایک تحریف یہ بھی تھی کہ یہود نے ذبح کے واقعہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے نام کی جگہ حضرت اسحاق کا نام ڈال دیا۔ حالانکہ خود تورات سے اس امر کی علانیہ تردید ہوتی ہے اور پہلے باب میں ہم اس پر وضاحت کے ساتھ بحث کر چکے ہیں۔ قرآن مجید نے اس تحریف کی تردید کے لیے صرف یہ کیا کہ اصل واقعہ ٹھیک ٹھیک اس کی صحیح ترتیب کے ساتھ بیان کر دیا اور اسی لپیٹ میں متعدد دلائل اس امر کے بیان کر دیے کہ ذبیح حضرت اسماعیلؑ ہی ہو سکتے، حضرت اسحاقؑ نہیں ہو سکتے۔

اگر قرآن یہود کی اس تحریف کی تردید نہ کرنا چاہتا تو نہ تو خود اس کا بیان یہود کے بیان کے خلاف ہوتا اور نہ ذبیح کی بشارت حضرت اسحاقؑ کی بشارت پر مقدم ہوتی بلکہ قصہ کی ترتیب یوں ہوتی کہ حضرت اسحاقؑ کا نام ابتدائے بشارت ہی میں آتا۔

علاوہ ازیں آیت:۔

وَمِن ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ مُبِينٌ (الصّٰفّٰت ۱۱۳)

اور ان دونوں کی ذریت میں کچھ نیکوکار اور کچھ اپنے اوپر علانیہ ظلم کرنے والے ہیں۔

بھی اس باب میں رہنمائی کے لیے اپنے اندر بعض دلائل پوشیدہ رکھتی ہے۔ یہود نے حسد اور اخفائے حق کی جو روش اختیار کی اس کی طرف اس آیت میں ایک لطیف اشارہ موجود ہے۔ اس میں "ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ" کا لفظ قابل غور ہے۔ ظلم سے قرآن مجید میں جس طرح شرک مراد لیا گیا ہے، اسی طرح آیاتِ الٰہی کا انکار، اللہ تعالیٰ پر بہتان یا اخفائے حق وغیرہ بھی مراد لیا گیا ہے۔ جو لوگ اس لفظ کے سیاق و سباق اور قرآن مجید میں اس کے مواقع استعمال کی چھان بین کریں گے وہ ہمارے اس دعوے کی تائید کریں گے۔

"ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ" لفظ کے ظاہری معنی کے لحاظ سے تو وہ شخص ہو سکتا ہے جو خود اپنے ہی ہاتھوں اپنے آپ کو نقصان پہنچائے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ اس شخص کے لیے بھی استعمال ہوا ہے جس کے سامنے ایک بہتر چیز پیش کی جائے لیکن وہ اس کو قبول نہ کرے بلکہ بدبختی سے اس کو رد کر دے۔ اسی طرح بعض مواقع پر ایسے لوگوں کے لیے استعمال ہوا ہے جو بلا کسی وجہ کے دوسروں کو نقصان پہنچانا چاہیں لیکن وہ اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکیں اور ان کا اقدام الٹا خود ان کے خلاف پڑے۔ یہود نے اپنی بدبختی کی وجہ سے ظلم کی یہ تمام قسمیں اپنی زندگی میں جمع کر لی تھیں، قرآن مجید نے جابجا اس کا ذکر فرمایا ہے۔ اس مقام پر موقع کی خصوصیات کے لحاظ سے اس کا مطلب بالکل واضح ہے۔ اس کا تعلق بنی اسماعیل اور بنی اسحاق دونوں سے ہوگا۔ بنی اسمٰعیل کا ظلم تو یہ ہے کہ باوجودیکہ وہ اس شخص کی ذریت میں سے تھے جس نے اپنی جان اللہ واحد کے حوالہ کر دی۔

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ۔ (الصّٰفّٰت - ۱۰۳)

پس جب دونوں خدا کی اطاعت میں سرفگندہ ہو گئے اور اس کو پیشانی کے بل پچھاڑ دیا۔

اور اس گھر کے وارث تھے جو توحید اور خدا پرستی کا مرکز تھا، تاہم وہ شرک میں مبتلا ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اپنے نفس پر کوئی اور ظلم نہیں ہو سکتا۔ بنی اسحاق کا ظلم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ نبی امی پر ایمان لائیں گے تو ان کے لیے برکتوں اور رحمتوں کے دروازے کھل جائیں گے۔ مگر انھوں نے اس وعدہ کی قدر نہ کی اور حضرت اسمٰعیل اور ان کی ذریت پر حسد کی وجہ سے وہ تمام شہادتیں انھوں نے چھپا دیں جو ان کے پاس موجود تھیں، جس کی وجہ سے نہ صرف تمام موجودہ برکتوں سے وہ محروم رہے بلکہ اس کا پورا پورا وبال ان پر آیا اور یہ بڑے سے بڑا ظلم تھا جو وہ اپنے آپ پر کر سکتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے:۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ۔ (البقرہ - ۱۴۰)

اور ان سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی کسی شہادت کو جو ان کے پاس ہے چھپائیں۔

ذبح کے واقعہ کے بعد اس آیت کا آنا چاہتا ہے کہ یہ موقع کے مناسب اشارہ سے خالی نہ رہے۔ پس ہم نے جو بات کہی ہے وہ کسی طرح سیاق و سباق سے بے تعلق نہیں کہی جا سکتی۔ باقی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو اسرار و حقائق رکھے ہیں ان کا احاطہ اس کے سوا اور کون کر سکتا ہے؟

۵۔ اللہ تعالیٰ نے جب ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی قربانی کے امتحان میں جانچا اور اس میں وہ پورے اترے، تو ان کو برکت دی اور اس برکت کا پہلا ظہور اس طرح ہوا کہ حضرت سارہ بھی اولاد کی نعمت سے سرفراز ہوئیں اور ان کے بطن سے ایک بیٹے کی ولادت کی خوشخبری نازل ہوئی۔ پس حضرت اسحاق کی ولادت درحقیقت حضرت اسماعیل کی قربانی کی برکتوں میں سے ایک برکت ہے۔ تورات میں اس کے اشارات موجود ہیں۔ ہر چند یہود نے اس پر تحریف کے پردے ڈال دیے ہیں لیکن صاحب نظر سے حقیقت پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ ہم نے گیارھویں فصل میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

ایک ایسی بات جو تحریف و کتمان کے اتنے پردوں کے اندر سے بھی اس قدر صاف جھلک رہی تھی، توضیح کی محتاج نہ تھی، اس وجہ سے قرآن نے اس کو کریدنا پسند نہیں کیا، البتہ واقعہ کو اس کی صحیح ترتیب کے ساتھ پیش کر دیا کیونکہ اس کو صحیح ترتیب کے ساتھ پیش

کردینا ہی تمام غلط دعاوی کی تردید کے لیے کافی تھا۔ چنانچہ پہلے قربانی کا واقعہ بیان کیا، پھر حضرت ابراہیمؑ پر سلامتی کا ذکر فرمایا، پھر اسی سے متصل یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حضرت اسحاقؑ کی ولادت کی خوش خبری دی۔ اب جو شخص کلام کے نظم پر غور کرے گا اور اس بارہ میں توراۃ کے بیان سے بھی واقف ہوگا، وہ اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ اس واقعہ کی ترتیب سے وہی بات ثابت ہوتی ہے جو ہم گیارھویں فصل میں بیان کر آئے ہیں۔ یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا ثمرہ ہے۔

آیت "وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً" میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل کے بارہ میں حضرت ابراہیمؑ کی دعا قبول فرمائی اور جب انھوں نے حضرت اسماعیلؑ کو حکم الٰہی کی تعمیل میں قربان کر دیا، تو ان کو حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوب بطور فضل مزید کے عنایت ہوئے۔ یہ اشارہ نہایت لطیف ہے۔ بیسویں فصل میں جہاں ہم نے اس آیت کی تفسیر کی ہے، بعض ضروری حقائق بیان کیے ہیں، طالب تفصیل کو وہ فصل دوبارہ پڑھ لینی چاہیے۔ اقوال سلف بھی اس بارہ میں ہمارے موید ہیں۔ درمنثور میں عبدالحمید بن جبیر سے روایت ہے کہ میں نے ابن مسیب سے کہا کہ

وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ۝ (الصّٰفّٰت - ۱۰۷) اور ہم نے اس کو چھڑا لیا ایک ذبح عظیم کے بدلے

میں حضرت اسحاقؑ مراد ہیں؟ انھوں نے جواب دیا معاذ اللہ! یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے! حضرت اسماعیلؑ مراد ہیں، حضرت اسحاقؑ تو اس استقامت کا صلہ ہیں۔

اس باب کی یہ آخری بحث ہے۔ ہم نے مختصر لفظوں میں جامع دلائل کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ اگر ہم ان مباحث میں تفصیل کا حق ادا کرتے تو دلائل کی تعداد بہت بڑھ جاتی۔ لیکن باب اول کی طرح اس میں بھی ہم نے صرف تیرہ دلیلیں بیان کیں، اور یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت اسماعیلؑ کا سن قربانی کے وقت تیرہ برس کا تھا۔

وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۔

باب سوم

روایات اور اقوال سلف

۳۳- واقعۂ ذبیح کے بارہ میں مختلف روایات موجود ہیں اور ان پر غور کرنے سے تین اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱- ایک یہ کہ مسلمان تعصب سے بالکل پاک ہیں، چنانچہ انھوں نے ان روایات سے انکار نہیں کیا جن میں حضرت اسحاق کا قربان ہونا بیان کیا گیا ہے۔

۲- دوسری یہ کہ ان روایات کا ماخذ تمام تر اہل کتاب ہیں۔

۳- تیسری یہ کہ ارباب علم و نظر اس بات پر متفق ہیں کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔

آئندہ مباحث سے یہ تمام باتیں تحقیق کی روشنی میں آجائیں گی۔ یہ قطعی ہے کہ اس باب میں جو روایات منقول ہیں ان کا صحت کے ساتھ مرفوع ہونا ثابت نہیں ہے۔ علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں دونوں طرح کی روایتیں ہیں۔ اگر ان میں سے کسی روایت کی صحت ثابت ہوتی تو ہم اس کو ہرگز نظر انداز نہ کرتے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ قرآن سے اس روایت کی صحت ثابت ہوتی ہے جس میں حضرت اسحاقؑ کا ذبیح ہونا بیان کیا گیا ہے"

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اس بنا پر ذبیح اسحاق کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں کہ ان کے نزدیک قرآن اس روایت کا مؤید ہے یعنی جہاں تک روایات کا تعلق ہے ان میں سے تو کسی روایت کی صحت ثابت نہیں ہے۔ البتہ ان کے خیال میں قرآنی اشارات کی روشنی میں ذبیح اسحاق کی روایت ترجیح کی مستحق ہے۔ ہمارے نزدیک علامہ ابن جریر کا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ فصل ۳۴، ۳۵ میں ہم اس پر مفصل تنقید کریں گے۔

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:۔

"اہل علم کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ذبیح حضرت اسحٰق ہیں۔ یہ قول سلف کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ اور بعض صحابہؓ سے بھی اس کی روایت کی گئی ہے لیکن اس باب میں کتاب و سنت سے کوئی بات ثابت نہیں ہے میرے نزدیک ان تمام روایات کا ماخذ علمائے اہل کتاب ہیں۔ انھیں سے یہ روایت بغیر کسی دلیل و حجت کے قبول کرلی گئی ہے"

علامہ ابن جریر نے دونوں قولوں کی روایت کردی ہے۔ حضرت عباسؓ بن عبد المطلب، ابن عباسؓ، عبداللہ بن مسعود، کعب احبار عبید بن عمیر، ابن سابط، ابن ابی الہذیل، ابومیسرہ، مسروق سے روایت ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ ابن عمرؓ اور

ابن عباسؓ سے متعدد روایات بواسطہ مجاہد، شعبی، عطاء بن رباح، یوسف بن مہران اور سعید بن جبیر اس مضمون کی ہیں کہ ذبیح حضرت اسماعیل ہیں۔ اسی مضمون کی روایات ابو الطفیل عامر، یوسف بن مہران، مجاہد، حسن بصری اور محمد بن کعب قرظی سے بھی ہیں۔ ابن کثیر نے اس مضمون کی روایات ابن ابی حاتم کے واسطہ سے حضرت علیؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت سعید بن مسیبؒ، ابو جعفر محمد بن علی اور ابو صالح وغیرہ سے بھی نقل کی ہیں۔ بغوی نے اپنی تفسیر میں اسی مضمون کی روایت ربیع بن انسؒ، ابو عمرو بن علاء اور بعض دوسرے بزرگوں سے نقل کی ہیں۔

سیوطی رحمہ اللہ نے پہلے قول کی روایت حضرت علیؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، بہار، جابر بن عبد اللہ، سعید بن جبیر، ابو سعید خدری، قتادہ، حسن، مجاہد اور عثمان بن حاضر سے بھی نقل کی ہیں۔

ان روایات میں سے بعض میں ایسی تفصیلات بھی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سلف کے دور میں اس مسئلہ پر بحث و نظر بھی ہو چکی ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، مجاہد، قتادہ اور حسن رضی اللہ عنہم سے دونوں طرح کے قول منقول ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غور و بحث کے بعد جب ان کے سامنے ایک قول کی غلطی واضح ہوئی تو انھوں نے دوسرے قول کی طرف رجوع فرمایا۔ ہم اس قسم کی روایات کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ کرنا چاہتے ہیں۔[1]

۱۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ذبیح حضرت اسماعیلؑ ہیں۔ یہود کا خیال ہے کہ ذبیح حضرت اسحاقؑ ہیں یہود کا یہ قول بالکل جھوٹ ہے۔"

اس روایت سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اگر ان کے اس قول کی روایت کہ ذبیح حضرت اسحاقؑ ہیں، صحیح بھی ہے تو ان کی یہ رائے غور و بحث سے پہلے کی ہوگی جو اہل کتاب کے بیانات پر اعتماد کرنے کی وجہ سے قائم ہوئی ہوگی۔

۲۔ ابن اسحاق سے روایت ہے کہ انھوں نے محمد بن کعب قرظی کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے دونوں بیٹوں میں سے جس بیٹے کی قربانی کا حکم دیا وہ حضرت اسماعیلؑ ہیں۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ذبیح جہاں بیان ہوا ہے اس سے یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذبیح کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے:۔

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۔ (الصافات - ۱۱۲)	اور ہم نے اس کو اسحاق کی بشارت دی جو نیکو کاروں میں سے نبی ہوگا۔

نیز فرمایا:۔

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۔ (ھود - ۷۱)	اور ہم نے اس کو اسحاق کی خوش خبری دی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو جو بشارت ملی اس میں بیٹے اور پوتے کی بشارت بھی تھی۔ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ حضرت اسحاقؑ

---

[1] یہ تمام روایات تفسیر ابن جریر رحمہ اللہ سے منقول ہیں۔ بقصد اختصار ہم نے سندیں حذف کر دی ہیں۔

کے ذبح کا حکم کیسے فرماتا جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے وعدے پورے ہونے والے تھے۔ پس یہ قطعی ہے کہ جس بیٹے کے ذبح کا حکم دیا وہ حضرت اسماعیل ہیں"۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ محمد بن کعب قرظی یہ بات اکثر فرمایا کرتے تھے:

۳۔ بریدہ بن سفیان، محمد بن کعب قرظی سے راوی ہیں کہ انھوں نے بیان کیا کہ انھوں نے یہ بات حضرت عمر بن عبدالعزیز سے، ان کی خلافت کے زمانہ میں شام میں ذکر کی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا۔ میں اس بات پر غور نہیں کرتا تھا اور میری رائے وہی تھی جو تم کہتے ہو۔ پھر ایک آدمی کو بلوایا جو یہودی سے مسلمان ہوا تھا اور اپنے اسلام پر ثابت رہا۔ وہ اس کو علماء یہود میں سے سمجھتے تھے۔

محمد بن کعب کہتے ہیں کہ ان کی موجودگی میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس سے سوال کیا کہ حضرت ابراہیمؑ کے دونوں بیٹوں میں سے کس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا تھا؟ اس نے جواب دیا "واللہ، اے امیرالمومنین! حضرت اسمٰعیل کو، اور یہود اس بات سے خوب واقف ہیں لیکن وہ آپ کی قوم عرب پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ان کے باپ کے بارہ میں ہو۔ اور وہ شرف و فضل جو اس حکم الٰہی پر استقامت کی وجہ سے ان کو حاصل ہوا اور جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے ان کی طرف منسوب ہو، اس حسد کے باعث وہ اس کا انکار کرتے ہیں اور اس کو حضرت اسحاق کی طرف منسوب کرتے ہیں کیونکہ وہ ان کے باپ ہیں"۔

علامہ ابن جریر نے اپنی تاریخ میں یہ روایت اسی قدر نقل کی ہے لیکن تفسیر میں اتنی بات زیادہ ہے۔

"اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ دونوں بیٹوں میں سے کون ذبیح ہوا۔ البتہ یہ قطعی ہے کہ دونوں پاکیزہ خلق، نیکوکار اور خدا کے فرمانبردار تھے"۔

یہ اضافہ محمد بن کعب کے بیان کا ٹکڑا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ وہ بغیر کسی تردد کے یہ یقین رکھتے تھے کہ ذبیح حضرت اسماعیلؑ ہیں۔ ان کا قول اوپر گزر چکا ہے۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ اضافہ علامہ جریر نے فرمایا ہو کیونکہ وہ بعض دلائل کی بنا پر جن کا ضعف واضح ہے اور جن پر آگے ہم بحث کریں گے، حضرت اسحاقؑ کے ذبیح ہونے کو ترجیح دیتے تھے۔ لیکن چونکہ اس رائے پر پوری طرح مطمئن نہ تھے اس وجہ سے اپنا یہ اضطراب بھی ظاہر فرما دیا اور یہ اس امر کی ایک واضح دلیل ہے کہ ان کا دماغ تعصب سے بالکل پاک تھا۔

۴۔ بعض روایات میں ایسے قرائن موجود ہیں جن سے حضرت اسماعیلؑ کا ذبیح ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس طرح کی روایات متعدد ہیں۔ مثلاً:۔

عامر سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا "فَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ" میں حضرت اسماعیل مراد ہیں اور مینڈھے کے دونوں سینگ کعبہ میں لٹکے ہوئے تھے"۔

شعبی سے روایت ہے کہ "ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ ہیں" اور پھر انھی سے روایت ہے کہ میں نے مینڈھے کے دونوں سینگ کعبے میں دیکھے"۔

حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ انھوں نے "فَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ" پر فرمایا کہ:۔

"مینڈھا تھا، سفید، سینگوں والا، بڑی آنکھوں والا، ثبیر میں ایک ببول سے بندھا ہوا"۔

عمرو بن عبید راوی ہیں کہ حضرت حسن فرماتے تھے کہ :۔

"حضرت اسماعیلؑ کا فدیہ ایک مینڈھا ہوا جو پہاڑی مینڈھوں کی قسم میں سے تھا اور ثبیر سے اترا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ذبح عظیم صرف اپنے ذبیحہ کے لیے نہیں فرمایا، بلکہ یہ وہ ذبح عظیم ہے جو ان کے دین کی سنت ہے اور یہ سنت قیامت تک باقی رہے گی، پس ذبیحہ بدی کے تعلق کو مٹانے والا ہے، اے اللہ کے بندو! قربانی کرو۔"

ان روایات پر غور کرو، ان میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے کی دلیلیں موجود ہیں۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ مینڈھے کے سینگ والی روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :۔

"اور یہ ایک مستقل دلیل اس بات کی ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔"

اس روایت میں ثبیر کا ذکر بھی ہمارے نزدیک ہمارے دعوے کی ایک قوی دلیل ہے۔

اس تمام تفصیل سے یہ امر واضح ہے کہ حضرت اسحاقؑ کے ذبیح ہونے کی روایات اگر صحیح بھی ہوں تو بھی یہ بحث و نظر سے پہلے کی ہوں گی۔ اور محض اہل کتاب کے بیانات پر اعتماد کرکے یہ رائے قائم کی گئی ہوگی۔ بعد میں جب دلائل سامنے آئے ہوں گے تو اس سے اعراض کیا ہوگا۔

علامہ ابن کثیرؒ ذبیح اسحاقؑ کی روایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :۔

"اور یہ تمام اقوال (واللہ اعلم) کعب احبار سے ماخوذ ہیں، وہ جب حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں اسلام لائے تو حضرت عمرؓ سے اپنی قدیم مذہبی کتابوں سے اخذ کرکے روایات کرتے۔ کبھی کبھی حضرت عمرؓ ان کی باتیں سن لیتے۔ اس سے لوگوں نے ان کی باتیں سننے اور ان سے روایت قبول کرنے کو عام طور پر جائز سمجھ لیا اور وہ ہر طرح کی رطب ویابس باتیں نقل کرنے لگے۔ حالانکہ اس امت کو ان کی ان معلومات میں سے ایک حرف کی بھی ضرورت نہیں تھی۔"

آگے چل کر علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں :۔

"عبداللہ بن امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے ذبیح کی بابت سوال کیا کہ حضرت اسمٰعیلؑ ہیں یا حضرت اسحٰقؑ، انھوں نے جواب دیا اسماعیلؑ۔ اس کا ذکر انھوں نے "کتاب الزہد" میں کیا ہے۔ اور ابن ابی حاتم نے فرمایا کہ میں نے اپنے باپ سے سنا ہے، وہ فرماتے تھے کہ صحیح مذہب یہ ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔"

اس بارہ میں جو آثار مروی ہیں وہ ہم نے پیش کر دیے۔ اب ہم مشہور علماء متاخرین کی رائیں پیش کریں گے اور اگر ضرورت داعی ہوئی تو مختصر طور پر ان پر تنقید بھی کریں گے۔

ابن جریر رحمہ اللہ کے دلائل

۲۴۔ ابن جریر رحمہ اللہ فریقین کے اقوال و روایات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :۔

"قرآن کی دلالت، جس کے متعلق ہم نے کہا ہے کہ وہ حضرت اسحاقؑ کے ذبیح ہونے کے بارہ میں ہے۔ ہمارے نزدیک زیادہ قرین صواب ہے۔ جس وقت حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کو چھوڑ کر اپنی بیوی سارہ کے ساتھ شام کی طرف ہجرت فرمائی ہے،

ان کی اس وقت کی دعا قرآن نے ان الفاظ میں نقل کی ہے "قَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ ۝ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ۝" (کہا میں اپنے پروردگار کی طرف جاؤں گا وہ میری رہبری فرمائے گا۔ پروردگار! مجھے صالح اولاد بخش) اور یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ نہ تو حضرت ابراہیم ابھی حضرت ہاجرہ سے آشنا ہوئے ہیں اور نہ وہ حضرت اسمٰعیل کی ماں بنی ہیں۔ پھر اسی سے متصل اللہ تعالیٰ نے اس قبولیت کا ذکر فرمایا ہے جو ان کی دعا کو حاصل ہوئی اور جس کے بموجب ان کو ایک بردبار بیٹے کی ولادت کی خوش خبری ملی۔ پھر ان کے رویا کا ذکر فرمایا کہ جب وہ بیٹا ان کے ساتھ دوڑنے پھرنے کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو وہ اس کو ذبح کر رہے ہیں۔"

یہ ابن جریر رحمہ اللہ کی پہلی دلیل ہے۔ اس کے بعد وہ اسی سے متصل اپنی دوسری دلیل بیان کرتے ہیں۔

"قرآن میں اللہ تعالیٰ نے نام لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اگر کسی بیٹے کی بشارت دی ہے تو وہ حضرت اسحاق ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔ "وَامْرَأَتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ وَمِن وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ" (اور اس کی بیوی کھڑی تھی، پس وہ ہنسی، پس ہم نے اسحاق کی خوش خبری دی اور اسحاق سے یعقوب کی) دوسری جگہ ہے۔ "فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُوا لَا تَخَفْ وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ۝ فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ" (تو اس نے ان سے ڈر محسوس کیا۔ وہ بولے کہ تم ڈرو نہیں، اور اس کو ایک ذی علم فرزند کی خوش خبری دی۔ اس کی بیوی اس بات پر متعجب ہوئی اور اس نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا میں تو ایک بڑھیا بانجھ ہوں) اسی طرح جہاں کہیں بھی حضرت ابراہیم کو بیٹے کی خوش خبری دی ہے۔ تو وہ خوش خبری ان کی زوجہ سارہ کے بطن سے بیٹے کی ولادت کی ہے۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ قرآن مجید کے دوسرے نظائر پر قیاس کر کے "فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ" (پس ہم نے اسے ایک بردبار بیٹے کی خوشخبری دی) میں بھی بشارت کا تعلق اسی بیٹے سے سمجھا جائے جو سارہ کے بطن سے پیدا ہوا۔"

یہ علامہ ابن جریر رحمہ اللہ کی دوسری دلیل ہے۔ پھر اسی سے متصل انھوں نے مخالفین کے بعض اقوال کی تردید کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ جب کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق کی ولادت کی خوش خبری کے ساتھ ساتھ حضرت یعقوب کی خوش خبری بھی پہلے سے دے دی تو یہ بات اس سے مانع ہے کہ وہ ان کے ذبح کا بھی حکم دے دے۔ لیکن یہ اعتراض ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ حضرت اسحاق کے ذبح کا حکم اس وقت ہوا ہے جب کہ وہ باپ کے ساتھ دوڑنے پھرنے کی عمر کو پہنچ چکے ہیں۔ ممکن ہے کہ حضرت یعقوب کی ولادت ذبح کے حکم سے پہلے ہو چکی ہو۔ اسی طرح جو لوگ اس سے دلیل پکڑتے ہیں کہ انھوں نے مینڈھے کے سینگ کعبہ میں لٹکے ہوئے دیکھے تو یہ بات بھی کچھ قوت نہیں رکھتی کیونکہ یہ کچھ محال نہیں ہے کہ سینگ شام سے لا کر کعبہ میں لٹکا دیے گئے ہوں۔"

یہ علامہ ابن جریر رحمہ اللہ کے استدلال کا خلاصہ ہے جو ہم نے خود ان کے لفظوں میں پیش کر دیا ہے۔ اب ہم اس استدلال کی قوت پر ناقدانہ غور کرنا چاہتے ہیں۔

ابن جریر رحمہ اللہ کے دلائل پر تنقید

۲۵۔ ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت اسحاق کے ذبیح ہونے کی دو دلیلیں بیان کی ہیں اور ساتھ ہی دو اعتراضوں کے جوابات دیے ہیں۔ یہ سب چار باتیں ہوئیں۔ اب ہم ان چاروں پر بالترتیب نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔

۱۔ علامہ ابن جریر رحمہ اللہ نے پہلی دلیل دعا اور بشارت کے اتصال سے پیدا کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ چونکہ بیٹے کے لیے ابراہیم نے دعا اس وقت کی ہے جب کہ حضرت ہاجرہ سے ابھی واقف بھی نہیں ہوئے ہیں۔ اس لیے لازماً یہ دعا حضرت سارہ سے اولاد کے لیے تھی اور چونکہ بیٹے کی بشارت دعا کے ذکر سے بالکل متصل ہے اس لیے ناگزیر ہے کہ یہ بشارت حضرت سارہ کے بطن سے بیٹے کی ولادت کی ہو۔

ہمارے نزدیک یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا حضرت ہاجرہ سے ناآشنا ہونا اس امر کو مستلزم نہیں کہ ان کی دعا حضرت سارہ سے اولاد کے لیے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ انھوں نے بغیر کسی تعیین و تشخیص کے اولاد کے لیے ایک عام دعا کی ہو اور یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کے لیے کچھ زیبا بھی نہیں ہے کہ وہ دعا میں ایک متعین صورت اللہ تعالیٰ کے سامنے تجویز کر کے رکھیں اور مخصوص طور پر حضرت سارہ ہی کے بطن سے اولاد کی تمنا کریں۔

ہمارے اس خیال کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ سے اولاد دی تو حضرت ابراہیمؑ نے اس کو اپنی دعا کی قبولیت سمجھ کر اس کا نام اسمٰعیل (یعنی اللہ نے اس کی دعا سنی) رکھا۔ جیسا کہ خود قرآن کے اشارات سے اس پر روشنی پڑتی ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ (اس خدا کے لیے شکر ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحاق بخشے۔ بیشک میرا پروردگار دعا کا سننے والا ہے) اگر کوئی دعا خاص طور پر حضرت سارہ کے بطن سے اولاد کے لیے ہوتی تو لازماً وہ یہ نام (اسمٰعیل) حضرت اسحاق کا رکھتے۔

بہرحال علامہ ابن جریر رحمہ اللہ کا یہ استدلال ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ ان کے اس استدلال کی غلطی واضح ہو جانے کے بعد ہمارا استدلال اپنی جگہ پر پھر قائم ہو جاتا ہے کہ دعا اور بشارت کا اتصال اس امر کا ثبوت ہے کہ جس بیٹے کا ذکر دعا سے متصل ہوا ہے اس سے مراد وہی بیٹا ہے جو پہلے پیدا ہوا ہو، جیسا کہ ہم بیسویں فصل میں اور اس کے بعد کی فصلوں میں بیان کر چکے ہیں نیز فصل ۲۳ کی دوسری روایت میں یہی دلیل محمد بن کعب قرظی نے آیاتِ قرآن سے استنباط کر کے پیش کی ہے۔

۲۔ علامہ ابن جریر رحمہ اللہ کی دوسری دلیل نظائر پر قائم ہے۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے لیے بیٹے کی جتنی بشارتیں قرآن میں اس مقام کے علاوہ مذکور ہیں سب حضرت اسحاق کے لیے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ یہ بشارت بھی ان ہی سے متعلق ہو۔

لیکن ہمارے نزدیک یہ بات کسی پہلو سے بھی ضروری نہیں۔ کسی ایک بات کا متعدد مقامات میں بیان ہونا اس امر کو مستلزم نہیں کہ ایک دوسری بات ایک دوسرے مقام میں نہ بیان کی جائے۔ پھر نظائر کی بنا پر جو دلیل قائم ہوتی ہے اس سے زیادہ سے زیادہ ایک احتمال قائم ہوتا ہے۔ بشرطیکہ کوئی دوسری نظیر یا دلیل اس کے مخالف نہ پڑے۔ یہاں معلوم ہے کہ بہت سے نظائر اور دلائل اس

کے خلاف ہیں۔ جیسا کہ تفصیل کے ساتھ پچھلی فصلوں میں ہم بیان کر آئے ہیں۔ تاہم ازاں جملہ ایک نہایت کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ حضرت اسحاق کی بشارت پورے قرآن میں، کہیں بھی نہ تو واقعہ ذبح کے بیان کے ساتھ لگی ہوئی مذکور ہے اور نہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا سے متصل، بلکہ یہ بشارت ان تمام بشارتوں سے ایک بالکل مختلف حالت رکھتی ہے جو حضرت اسحاق کے بارہ میں وارد ہیں۔ پھر موضع زیر بحث میں حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت کا اس کے بعد آنا اس امر کا نہایت قوی ثبوت ہے کہ پہلی بشارت دوسری بشارت سے بالکل مختلف ہے۔ پس علامہ ابن جریرؒ نے نظیر کی بنا پر جو دلیل قائم کی اس سے زیادہ قوی نظیر اس کی مخالفت کر رہی ہے۔

۳۔ جو لوگ اس بنا پر حضرت اسحاقؑ کا ذبیح ہونا غلط سمجھتے ہیں کہ ان کی ولادت کی بشارت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان سے حضرت یعقوب کی ولادت کی بشارت دی، ان کا جواب علامہ ابن جریرؒ یہ دیتے ہیں کہ ممکن ہے کہ حضرت یعقوبؑ حضرت اسحاقؑ کے ذبح کے حکم سے پہلے پیدا ہو چکے ہوں۔

ہمارے نزدیک علامہ ابن جریرؒ کا یہ جواب کسی طرح بھی صحیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ذبیح کا نوخیز اور کمسن ہونا تورات اور قرآن دونوں سے معلوم ہے۔ اتنی بات فریقین میں متفق علیہ ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت یعقوب، حضرت اسحاق کے بڑھاپے میں پیدا ہوئے ہیں، یا تو حضرت ابراہیمؑ کی وفات کے بعد یا اس سے کچھ پہلے۔ ہم اس مسئلہ پر دسویں فصل میں بحث کر چکے ہیں جس کو تفصیل کی خواہش ہو اس فصل کو پڑھے۔ بلکہ ہمارا دعویٰ تو اس سے بھی ایک قدم آگے ہے۔ ہم نے تو یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو یہ امتحان حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت سے پہلے پیش آیا اور اس کے وجوہ کی تفصیل ہم چھٹی، گیارھویں فصل اور تیسویں فصل کی پانچویں وجہ میں بیان کر چکے ہیں۔ بہرحال یہ جواب کہ حضرت اسحاقؑ کی قربانی حضرت یعقوبؑ کی ولادت کے بعد ہوئی ہوگی، بالکل غلط ہے۔

۴۔ بعض روایات میں حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے مینڈھے کے سینگوں کا خانہ کعبہ میں دیکھا جانا بھی بیان ہوا ہے۔ علامہ ابن جریرؒ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ "یہ ناممکن نہیں ہے کہ سینگ شام سے لا کر خانہ کعبہ میں رکھ دیے گئے ہیں۔"

ہمارے نزدیک یہ سینگ والی روایت قابلِ اعتماد نہیں ہے۔ قرآن میں اس کی تائید میں کوئی اشارہ بھی نہیں ہے۔ اس وجہ سے اس کا ثبوت اور عدمِ ثبوت دونوں ہمارے نزدیک یکساں ہیں۔ بہتر تو یہ تھا کہ اس سے سرے سے بحث ہی نہ کی جاتی لیکن جب علامہ ابن جریرؒ نے اس کا جواب دینے کی کوشش کی ہے تو ضروری ہے کہ ان کے جواب کی نوعیت پر غور کر لیا جائے۔

ہرچند کہ امکانِ عقلی کا دائرہ نہایت وسیع ہے لیکن قوموں کے حالات و عادات کے اعتبار سے یہ بات نہایت مستبعد معلوم ہوتی ہے کہ کسی قوم کے قدیم آثارِ مقدسہ اتنی سہولت کے ساتھ اس کے پاس سے منتقل ہو کر کسی دوسری قوم کے پاس چلے جائیں اور وہ اس پر راضی بھی ہو جائے۔ اس طرح کے معاملات پر دنیا میں بڑی بڑی خونریز جنگیں برپا ہو چکی ہیں۔ قبل از اسلام کی تاریخ میں ہم کو کوئی ایسا واقعہ نہیں معلوم جب کہ عربوں نے یہود و نصاریٰ کو مغلوب کیا ہو اور اس سلسلہ میں یہ مقدس یادگار ان کے ہاتھ آئی ہو۔ اس طرح کا کوئی واقعہ اگر پیش آیا ہوتا تو یقیناً یہ دونوں قوموں کی تاریخ کا سب سے زیادہ اہم اور مشہور واقعہ ہوتا اور بچہ بچہ اس کو جانتا ہوتا۔ پس ہمارے نزدیک علامہ ابن جریرؒ کی یہ بات بھی بالکل بے معنی ہے۔

تفسیر کبیر اور کشاف کے بیانات کا خلاصہ اور بعض ضروری تنبیہات

۳۶ - امام رازی رحمہ اللہ نے اس بحث میں وہی طریقہ اختیار کیا ہے جو علامہ زمخشریؒ نے اختیار کیا ہے یعنی انھوں نے دونوں فریق کے دلائل بیان کر دیے ہیں۔ اگرچہ کشاف کی عبارت زیادہ مختصر اور واضح ہے لیکن چونکہ امام رازی کی تفسیر شہرت و مقبولیت کے اعتبار سے زیادہ اونچی ہے اس لیے ہم نے اسی سے نقل کرنا پسند کیا۔ امام رازی ان لوگوں کے نام ذکر کرنے کے بعد جن کی طرف دونوں قول منسوب کیے گئے ہیں، فرماتے ہیں :-

"جو لوگ قائل ہیں کہ ذبیح حضرت اسماعیل ہیں ان کے دلائل یہ ہیں۔

۱- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اَنَا ابْنُ الذَّبِیْحَیْنِ" (میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں) اور ایک مرتبہ ایک اعرابی نے آپ کو "ابن الذبیحین" کہہ کر مخاطب کیا تو آپ مسکرائے۔ جب اس کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ عبدالمطلب نے جب چاہِ زمزم کھودنے کا ارادہ کیا تو منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کام میں حسب منشا کامیابی عطا فرمائی تو وہ اپنے ایک بیٹے کی قربانی کریں گے۔ جب یہ کام حسب منشا پورا ہو گیا اور وقت آیا کہ نذر پوری کریں اور بیٹوں پہ قرعہ ڈالا تو قرعہ عبداللہ کے نام نکلا۔ لیکن ان کے ماموں نے اس معاملہ میں رکاوٹ ڈال دی کہ عبداللہ کو ذبح نہ کیا جائے بلکہ ان کے بدلہ میں سو اونٹ بطور فدیہ دے دیے جائیں۔ چنانچہ عبدالمطلب نے سو اونٹ فدیہ میں دے دیے۔ اور دوسرے ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں (ابن جریرؒ نے اس روایت کو ذکر کیا ہے اور کسی قدر اختلاف کے ساتھ ابن کثیرؒ نے بھی نقل کیا ہے لیکن اس کی سند ضعیف بتائی ہے۔ اگر روایت صحیح ہوتی تو یہ اس بارہ میں بالکل قطعی تھی، کیونکہ یہ اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے)

۲- اصمعیؒ سے روایت ہے کہ میں نے ابوعمرو بن علاء سے ذبیح کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا: اے اصمعی تمھاری عقل کہاں ہے! اسحاقؑ مکہ میں کب تھے! مکہ میں تو اسماعیلؑ تھے۔ ان ہی نے اپنے باپ کے ساتھ مل کر بیت اللہ کی تعمیر کی، اور قربان گاہ مکہ میں ہے۔"

۳- اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ کے صبر کی تعریف فرمائی ہے، لیکن حضرت اسحاق علیہ السلام کے لیے اس وصف کا ذکر نہیں کیا ہے۔ "وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِدْرِیْسَ وَذَا الْکِفْلِ کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ" (اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل صابروں میں سے تھے) یقیناً حضرت اسماعیلؑ کا یہ صبر وہی صبر ہے جو ذبح کے وقت انھوں نے دکھایا۔ نیز ان کی تعریف میں صادق الوعد کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ اِنَّہٗ کَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے باپ سے یہ وعدہ کیا کہ وہ ذبح کے امتحان میں ثابت قدم رہیں گے۔ چنانچہ انھوں نے امتحان پیش آنے پر اپنے اس وعدہ کو سچا کر دکھایا۔

۴- قرآن مجید میں وارد ہے۔ فَبَشَّرْنٰھَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ۔ (پس ہم نے اس کو خوشخبری دی اسحٰق کی اور اسحاقؑ سے یعقوب کی) اب اگر ذبیح حضرت اسحاقؑ ہیں تو یا تو ان کے ذبح کا حکم حضرت یعقوبؑ کی ولادت سے پہلے ہوا ہے یا ان کی ولادت کے بعد۔ ولادت سے پہلے ذبح کا حکم ہونا علانیہ غلط ہے کیونکہ جب حضرت اسحاق کی بشارت کے ساتھ

ان سے یعقوبؑ کے پیدا ہونے کی بھی بشارت دی گئی۔ تو حضرت یعقوبؑ کی ولادت سے پہلے حضرت اسحاقؑ کے ذبح کا حکم دینا کسی طرح جائز نہیں ورنہ اس سے اس وعدہ کی خلاف ورزی لازم آتی ہے جو ﴿مِن وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ﴾ میں کیا گیا ہے اور ولادت کے بعد ذبح کا حکم دینا یوں غلط ہے کہ قرآن مجید میں وارد ہے کہ ﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ﴾ "(پس جب وہ اس کے ساتھ دوڑنے پھرنے کی عمر کو پہنچا۔ کہا اے میرے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں) جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیٹا جب دوڑنے پھرنے کی عمر کو پہنچا اور اس قابل ہوا کہ کچھ اپنے ہاتھوں کو دھر سکے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اس کے ذبح کا حکم دیا۔ یہ بیان اس امر کے صریحاً منافی ہے کہ یہ واقعہ کسی دوسرے زمانہ میں پیش آئے۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت اسحاقؑ کا ذبیح ہونا کسی طرح بھی ثابت نہیں (ہر چند کہ اس بیان میں غیر ضروری طوالت ہے لیکن دلیل کا پہلو واضح ہے)

۵۔ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق قرآن مجید میں منقول ہے کہ انھوں نے ہجرت کے وقت فرمایا کہ ﴿اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ﴾ (میں اپنے پروردگار کی طرف جاؤں گا وہ میری رہبری فرمائے گا) پھر انھوں نے اللہ تعالیٰ سے ایک بیٹے کے لیے دعا کی جو دیارِ غربت میں وابستگی کا ذریعہ ہو۔ ﴿رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ "(پروردگار! مجھے صالح بیٹا بخش) یہ دعا اسی حالت میں موزوں ہو سکتی ہے جب ان کے کوئی اولاد نہ ہو۔ کیونکہ اگر کوئی بیٹا ان کو مل چکا ہوتا تو ایک بیٹے کے لیے وہ دعا نہ کرتے جو چیز ان کو حاصل ہے اس چیز کے مانگنے کے کوئی معنی نہیں۔ ﴿هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ "(مجھے نیکوکاروں میں سے ایک بخش) کے الفاظ ایک بیٹے کی طلب کے مفہوم کے لیے بالکل واضح ہیں۔ لفظ مِنْ تبعیض کے لیے آتا ہے اور تبعیضیت کا ادنیٰ درجہ ایک ہے۔ پس ﴿مِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾" کے الفاظ سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ انھوں نے ایک بیٹے کے لیے دعا کی۔ پس یہ سوال اسی حالت میں موزوں ہو سکتا ہے جب ان کے کوئی اولاد نہ رہی ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ دعا اس وقت کی ہے جب انھوں نے پہلے بیٹے کے لیے دعا کی ہے اور اس امر پر لوگوں کا اتفاق ہے کہ اسماعیل علیہ السلام عمر میں حضرت اسحاقؑ سے بڑے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اس دعا میں مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ پھر اس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے ذبح کا واقعہ بیان فرمایا ہے جس سے یہ بات نکلی کہ ذبیح حضرت اسماعیلؑ ہی ہو سکتے ہیں۔

(اس بیان کا ابجاؤ اور ضعف استدلال واضح ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی دعا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس سے یہ بات نکلتی ہو کہ انھوں نے ایک ہی بیٹے کے لیے دعا کی تھی لیکن اس میں دلیل کا جو پہلو ہے وہ نمایاں ہے۔ اور ہم اس کو بیسویں اور اکیسویں فصل میں بیان کر چکے ہیں۔ وہاں دیکھنا چاہیے)

۶۔ متعدد روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خانۂ کعبہ میں مینڈھے کے سینگ موجود تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذبح کا واقعہ مکہ میں پیش آیا۔ اگر ذبیح حضرت اسحٰقؑ ہوتے تو یہ واقعہ شام میں پیش آتا۔

جو لوگ مدعی ہیں کہ ذبیح حضرت اسحاقؑ ہیں وہ دو دلیلیں بیان کرتے ہیں۔

۱۔ آیت کے اول و آخر سے ثابت ہوتا ہے کہ ذبیح حضرت اسحاقؑ ہیں۔ آیت کے شروع میں حضرت ابراہیمؑ کی زبانی منقول ہے۔ ﴿اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ﴾ "(میں اپنے پروردگار کی طرف جاتا ہوں وہ میری رہنمائی فرمائے گا) علماء کا اتفاق

ہے کہ اس سے مراد وہ ہجرت ہے جو انھوں نے شام کی طرف فرمائی ہے۔ پھر اس کے بعد ہے۔ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ (پس ہم نے اس کو ایک بردبار بیٹے کی خوش خبری دی) ضروری ہے کہ اس سے مراد حضرت اسحاق ہوں۔ پھر اس کے بعد ہے۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ (پس جب وہ اس کے ساتھ دوڑنے پھرنے کی عمر کو پہنچا) یہ الفاظ تقاضا کرتے ہیں کہ دوڑنے پھرنے کی عمر کو پہنچ جانے والے بیٹے سے وہی بیٹا مراد ہو جو شام میں پیدا ہوا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ آیت کے ابتدائی حصہ میں اس امر کا نہایت واضح ثبوت موجود ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔

یہی حال آیت کے آخری حصہ کا ہے۔ اس سے بھی یہی نکلتا ہے کہ قربان ہونے کا شرف حضرت اسحاق ہی کو حاصل ہوا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ذبح کا واقعہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ (اور ہم نے اس کو خوش خبری دی اسحٰق کی جو نبی ہوگا نیکوکاروں میں سے) جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت اسحاق کے نبی ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔ اب اس بشارت کا، واقعہ ذبح کے بعد آنا، چاہتا ہے کہ ان کی نبوت کی بشارت اس وجہ سے دی گئی ہو کہ وہ اس آزمائش میں پورے اترے جو ذبح کے سلسلہ میں ان کو پیش آئی۔ الغرض جیسا کہ ہم نے کہا، آیت کا شروع اور آخر دونوں حضرت اسحاق کے ذبیح ہونے کو چاہتا ہے۔

(علامہ ابن جریر رحمہ اللہ کی پہلی دلیل یہی ہے اور اس میں جو کھلی ہوئی کمزوری ہے اس کو ہم چھتیسویں فصل میں بیان کر چکے ہیں۔ اس کو دیکھنا چاہیے)

۲۔ دوسری دلیل وہ مشہور خط ہے جو حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کو لکھا اور جو یوں شروع ہوتا ہے "من یعقوب اسرائیل نبی اللہ ابن اسحق ذبیح اللہ ابن ابراهیم خلیل اللہ" اس طرح کی روایات کی تردید کی ضرورت نہیں ہے۔ (فراہی) اس باب کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے۔ اور زجاجؒ فرمایا کرتے تھے۔ کہ "اللہ بہتر جانتا ہے کہ دونوں میں کون ذبیح ہے"۔

اس مسئلہ پر امام رازیؒ نے جو کچھ لکھا ہے وہ اوپر بیان ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے دونوں فریق کے دلائل بیان کر کے معاملہ کو بس یہیں ختم کر دیا ہے۔ ان دلیلوں کی جانچ پڑتال پر توجہ نہیں کی ہے اور نہ یہی کھولا ہے کہ وہ کس گروہ کے ساتھ ہیں۔ صاحب کشاف نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ لیکن ان کا عام قاعدہ یہ ہے کہ وہ جس مذہب کو پہلے بیان کرتے ہیں اور جس کے دلائل کو زیادہ پھیلا کر لکھتے ہیں وہی مذہب ان کے نزدیک لائق ترجیح ہوتا ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ کے بیانات کا خلاصہ

۳۷۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر روایۃً و درایۃً دونوں طریقوں سے بحث کی ہے۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ وہ ان دونوں چیزوں میں اونچا درجہ رکھتے ہیں۔ اس سے متعلق بعض روایات کا خلاصہ ہم نے چھتیسویں فصل میں دیا ہے۔ اب ہم ان کے وہ دلائل بیان کرتے ہیں جو انھوں نے قرآن اور تورات سے اخذ کیے ہیں اور جن سے علامہ ابن جریر کے شبہات دور کرنے کی کوشش کی ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"یہاں غلام سے مراد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں۔ یہی پہلے بیٹے ہیں جن کی پیدائش کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری دی گئی۔ مسلمان اور اہل کتاب دونوں اس امر پر متفق ہیں کہ یہ حضرت اسحاق سے بڑے تھے۔ توریت سے تو یہاں تک ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیم کی عمر ۸۶ برس کی تھی اور حضرت اسحٰق کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیمؑ ننانوے برس کے تھے (یہاں علامہ ابن کثیر سے تھوڑا سا تسامح ہو گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ عمر اس وقت تھی جب ان کو حضرت اسحاقؑ کی ولادت کی خوشخبری ملی ہے۔ حضرت اسحاق کی ولادت کے وقت وہ پورے سو سال کے تھے، جیسا کہ چوتھی فصل میں ہم نے بیان کیا ہے۔ فراہی) اہل کتاب کے یہاں یہ امر مسلم ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو اکلوتے بیٹے کے ذبح کا حکم ہوا تھا، اور توراۃ کے ایک نسخہ میں "بِکر" (پہلوٹھے بچے) کے الفاظ بھی ہیں۔ اس موقع پر انھوں نے بالکل جھوٹ حضرت اسحاقؑ کا نام ڈال دیا ہے، حالانکہ یہ بات ان کی کتاب کے صریح بیانات کے قطعی خلاف ہے۔ حضرت اسحاقؑ کا نام داخل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان کے باپ تھے اور حضرت اسماعیل عربوں کے باپ تھے۔ محض حسد کے سبب سے انھوں نے اپنی کتاب میں یہ تحریف کر ڈالی۔ انھوں نے اکلوتے کے معنی تحریف کر کے یہ کر دیے کہ وہ جس کے سوا تیرے ساتھ کوئی اور نہیں؛ کیونکہ حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ کو مکہ پہنچا دیا گیا تھا۔ یہ کھلی ہوئی تحریف ہے کیونکہ "اکلوتا" تو وہی ہو سکتا ہے جس کے سوا کوئی اور بیٹا نہ ہو[۱]۔ نیز یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ پہلوٹھے بیٹے کو جو قدر و عزت حاصل ہوتی ہے وہ بعد کی اولادوں کو حاصل نہیں ہوتی۔ پس جانچ اور امتحان کے لیے مناسب یہی تھا کہ پہلوٹھے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا جائے۔"

اس کے بعد علامہ ابن کثیرؒ ان لوگوں کا ذکر کرتے ہیں جو قائل ہیں کہ ذبیح حضرت اسحٰقؑ ہیں اور فرماتے ہیں:-

"ہمارے نزدیک یہ بات علماء یہود کے بیانات سے بغیر کسی تحقیق کے لے لی گئی ہے اور یہ کتاب الٰہی صاف شہادت دے رہی ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیلؑ ہی ہیں۔ اس میں ایک "غلام حلیم" کی بشارت ہے، پھر یہ بیان ہے کہ وہ ذبیح ہے، پھر اس کے بعد ہے وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ اور جب ملائکہ نے حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحاقؑ کی بشارت دی ہے تو کہا: اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ" یعنی حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحاق کی زندگی ہی میں حضرت اسحٰقؑ کو اللہ تعالیٰ ایک بیٹا عنایت فرمائے گا جس کا نام یعقوب ہوگا جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی نسل بھی چلے گی۔ ایسی حالت میں جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں یہ کسی طرح بھی جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ بالکل بچپنے کی حالت میں ان کے ذبح کا حکم دے دے کیونکہ وہ وعدہ فرما چکا ہے کہ اس بیٹے سے نسل برپا ہوگی۔"

---

[۱] ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ بیر سبع میں حضرت اسماعیلؑ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیمؑ ان کو قربان گاہ (مروہ) کی طرف لے گئے اور پھر وہیں ان کو بسایا (دیکھو فصل ۵) (فراہی)

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں :

"اور حضرت اسماعیل کی صفت بیان حلیم ہونا بیان فرمائی ہے کیونکہ موقع کے لحاظ سے مناسب یہی ہے اور ساتھ ہی فرمایا ہے۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ یعنی جب بیانے ہوئے اور اپنے باپ کے ساتھ چلنے پھرنے لگے۔"

پھر فرماتے ہیں :۔

"یہ بات انھوں نے بیٹے کو بھی بتادی تاکہ اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ پدر میں بیٹے کی بھی استقامت و عزیمت کا امتحان ہوجائے۔ ادھر سے جواب ملا يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ یعنی اللہ تعالیٰ نے میرے ذبح کا جو حکم آپ کو دیا ہے وہ پورا کیجیے سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ یعنی میں اس پر انشاء اللہ ثابت قدم رہوں گا اور اس کے صلہ کے لیے اللہ تعالیٰ سے امید کروں گا۔ پھر پوری استقامت کے ساتھ اپنے اس وعدہ کی سچائی ثابت کردی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کا ذکر فرمایا۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا ۝ وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِندَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ۝ اور یاد کرو کتاب میں اسماعیل کو، وہ قول کا پکا اور رسول و نبی تھا، اپنے گھر والوں کو وہ نماز اور زکوٰۃ کی تلقین کرتا تھا اور اپنے خداوند کی نظروں میں پسندیدہ تھا۔"

اس کے بعد علامہ ابن جریرؒ کی دلیل کے ماخذ کا ذکر کر کے لکھتے ہیں :۔

"اسی پر انہی تفسیر میں انھوں نے اعتماد کیا ہے، حالانکہ یہ کوئی مذہب نہیں ہے۔ یہ اصل حقیقت سے بہت دور ہے۔ البتہ محمد بن کعب قرظیؒ نے جس چیز سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں وہ نہایت صحیح اور نہایت مضبوط ہے۔"

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جہاں تک ظاہری دلائل کا تعلق ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے ان میں سے اکثر بیان کردیے ہیں اور متاخرین میں کوئی شخص بھی ان سے آگے نہیں جاسکا ہے۔ اس وجہ سے ہم متاخرین کے اقوال زیادہ نقل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ البتہ اگلی فصل میں بعض مشہور متاخرین کے اقوال محض اس خیال سے نقل کریں گے کہ ان کا نقطۂ نظر بھی سامنے آجائے۔

بعض مشہور متاخرین کے اقوال

۳۰ ۔ تمام مشہور مفسرین میں سے، علامہ ابن جریرؒ کے سوا مجھے کوئی شخص ایسا نہیں ملا ہے جو قطعیت کے ساتھ حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کا قائل ہو۔ صرف علامہ ابن جریرؒ نے حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کے مذہب کو ترجیح دی ہے اور اس کی تائید میں دلیلیں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ باقی تمام مفسرین دو حصوں میں تقسیم ہیں۔ ایک جماعت دونوں مذہبوں کو نقل کر کے ذبیح اسماعیل کے مرجح ہونے کی طرف اشارہ کردیتی ہے اور دوسری جماعت نہایت وضاحت و تصریح کے ساتھ اس بات کی قائل ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

مدارک میں ہے "ظاہر قول یہ ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔"

بیضاوی میں ہے :- "صحیح بات یہ ہے کہ اس کے مخاطب حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں"

جلالین میں ہے کہ "اسماعیل مراد ہیں یا اسحاق، دونوں مذہب ہیں"

میری نظر سے امام سیوطیؒ کا ایک رسالہ "القول الفصیح فی تعیین الذبیح" گزرا ہے جس میں وہ دونوں فریق کے اقوال وروایات جمع کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:-

"پہلے میرا خیال تھا کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں لیکن اب اس معاملہ میں میں نے توقف اختیار کر لیا ہے۔"

درمنثور میں بھی ان کی یہی روش ہے، انھوں نے دونوں مذہب بغیر کسی ترجیح کے نقل کر دیے ہیں۔ غالباً توقف سے ان کا منشا یہ ہے کہ قطعیت کے ساتھ وہ ان میں سے کسی ایک مذہب کی ترجیح کا فیصلہ نہیں کر سکے ہیں۔ ورنہ ویسے مرجح ان کے نزدیک بھی ذبیح اسماعیلؑ ہی ہے۔ کم از کم تفسیر جلالین سے ایسا ہی مترشح ہوتا ہے۔

بغوی اور خازن نے صرف دونوں مذہبوں کی روایات نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے کسی مذہب کو ترجیح نہیں دی ہے۔

ہمارے علماء نے اس معاملہ میں جو روش اختیار کی اس کے بہت سے اسباب ہیں اور نامناسب نہ ہوگا اگر ان میں سے بعض کی طرف یہاں اشارہ کر دیا جائے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ علمائے اسلام بالکل غیر متعصب تھے۔ کسی پیغمبر کو دوسرے پیغمبروں پر ترجیح دینے کے لیے ان کے اندر کوئی متعصبانہ جذبہ نہیں تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیت کی تاویل میں جب تک ان کے سامنے کوئی واضح دلیل موجود نہیں ہوتی تھی وہ کسی خاص پہلو کو جزم وقطعیت کے ساتھ اختیار کرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔

اسی طرح ہمارے متاخرین کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ سلف کا انتہائی حد تک احترام ملحوظ رکھتے تھے۔ جس مسئلہ میں وہ سلف کی رائیں مختلف پاتے تھے اس میں کسی ایک پہلو کو قطعیت کے ساتھ ترجیح دینے سے وہ احتراز کرتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کرتے کہ جو مذہب خود ان کے نزدیک مرجح ہوتا اس کی طرف اشارہ کر دیتے۔ البتہ اگر کسی شخص کے سامنے کوئی مسئلہ بالکل ہی واضح ہو جاتا تو پھر اس کے اظہار واعلان میں اس کو کوئی تذبذب بھی نہ ہوتا۔

علامہ ابن جریرؒ کا علانیہ ذبیح اسحقؑ کے مذہب کو ترجیح دینا اس امر کا نہایت واضح ثبوت ہے کہ علمائے اسلام نے اس معاملہ کو تعصب وعناد کی نظر سے بالکل نہیں دیکھا۔

الغرض اس مسئلہ میں جتنا کچھ بھی اختلاف ہے وہ اس قسم کا اختلاف ہے جس قسم کا اختلاف اہل حق وانصاف میں پایا جاتا ہے، جو خالص فکر ونظر کا پیدا کردہ ہوتا ہے۔ نفس اور خواہش کی اس میں کوئی ملاوٹ نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ نے سچے اصحاب علم کی یہی تعریف بھی فرمائی ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ	جو بات کو سنتے ہیں پھر اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں
اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ	یہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت بخشی ہے اور یہی ہیں جو
هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔	عقل مند ہیں۔

اس تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اس مسئلہ میں ہمارے علماء کے اندر جو تھوڑا بہت اختلاف ہے اس سے بھی زیادہ تر

اسی مذہب کی تائید ہوتی ہے جس کو ہم نے دلائل سے ثابت کیا ہے۔ یعنی ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں۔

اہل عرب کے اقوال اور ان کے حالات قبل از اسلام سے استدلال

۲۹۔ باب اوّل اور باب دوم میں وہ دلیلیں بیان ہو چکی ہیں جو نیز دو اور اہل عرب کے حالات اور خانہ کعبہ اور بیت المقدس کے مراسم و مناسک سے ماخوذ تھیں۔ ان کی روشنی میں ہم نے دیکھ لیا ہے کہ بنائے ابراہیمی صرف خانہ کعبہ ہی ہو سکتا ہے اور ذبیح صرف حضرت اسماعیل ہی ہو سکتے ہیں جو خانہ کعبہ کے پڑوس میں بسائے گئے۔ جو لوگ تاریخی قرائن و آثار سے استدلال کے عادی ہیں ان کے لیے ان ابواب میں کافی مواد بحث و تحقیق موجود ہے لیکن ہم اصل مبحث کے تتمہ کے طور پر اس میں مزید اضافہ کرتے ہیں تا کہ اس اشارہ کی پوری تفصیل ہو جائے جو قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیت میں مضمر ہے۔

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (آل عمران - ۱۰)

اس میں نہایت واضح نشانیاں ہیں۔ ابراہیمؑ کی سکونت کی جگہ، اور جو اس میں داخل ہوا وہ مامون ہوا اور لوگوں پر اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج کرنا ہے جو وہاں تک پہنچنے کی استطاعت پائے اور جس نے انکار کیا تو اللہ دنیا والوں سے بے پروا ہے۔

اس آیت میں آیٰتٌ بَیِّنٰتٌ (کھلی ہوئی نشانیاں) سے مراد جیسا ہم فصل ۱۲ میں بیان کر چکے ہیں، وہ قطعی دلائل ہیں جو سب کے نزدیک بلا اختلاف مسلم تھے۔ سرزمین مکہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربان گاہ، اور ان کی تعمیر کی ہوئی مسجد کا وجود، اور ان کی اولاد کا اس قربان گاہ اور مسجد سے متعلق تمام آداب و رسوم کا نسلاً بعد نسل قبول کرنا اور ان پر قائم رہنا، ایسے امور ہیں جو شہرت اور تواتر کی آخری حد کو پہنچ چکے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کیسے ممکن تھا کہ تمام عرب ان باتوں پر اتفاق کر لیتا، اور جو لوگ اس دینی مرکز کے متولی ہوتے ان کی مذہبی سیادت سب کے نزدیک مسلم ہو جاتی اور حج کے مہینوں میں لڑائی جیسے محبوب مشغلہ سے یہ لوگ باز رہتے۔ قبائل کی باہمی جنگ و پیکار، ان کا نسلی اختلاف و تفاخر، مختلف بتوں اور تھانوں کا وجود، یہ سب باتیں ان کی یکجہتی اور اتحاد کے خلاف تھیں۔ تاہم خانہ کعبہ اور اس کے آداب و مناسک کے اہتمام و احترام میں سب یک دل تھے۔ یہ حیرت انگیز صورتِ حال اس امر کا نہایت قوی ثبوت ہے کہ کعبہ کی تعمیر اور اس کے پڑوس میں اپنی ذریت کو آباد کرتے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا فرمائی تھی وہ قبول ہوئی اور چونکہ اس تعمیر ابراہیمی کی محبت و عظمت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تمام ذریت بلکہ تمام اہل عرب کے دلوں میں جاگزیں تھی اس وجہ سے مشہور متعصب ابرہہ نصرانی عربوں کو بیت اللہ کے حج سے کسی طرح بھی نہ روک سکا۔ یہاں تک کہ عاجز آ کر اس نے بالآخر کعبہ کے ڈھا دینے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ قرآن نے اس کی اس شرارت کا ذکر ان لفظوں میں فرمایا ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَن يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ کی مسجدوں کو اللہ کے ذکر سے محروم کریں اور ان کی ویرانی کے درپے

أُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَا اِلَّا خَآئِفِيْنَ ۚ لَهُمْ فِی الدُّنْيَا خِزْیٌ وَّلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (بقرہ - ۱۱۴)

یہی وہ لوگ تھے جن کے لیے زیبا نہ تھا کہ وہ ان میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے۔ ان کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں ایک بڑا عذاب ہے۔

قبل از اسلام عربوں کے حالات کا اتنا حصہ پوری قطعیت کے ساتھ معلوم ہے۔ رہے اس باب میں ان کے اقوال و بیانات تو یہ معلوم ہے کہ اس کا بہت ہی تھوڑا حصہ ہم تک پہنچ سکا ہے۔ تاہم ان کے کلام کا جو مختصر مجموعہ ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے اس میں اس بات کے نہایت قطعی دلائل موجود ہیں کہ اہل عرب کعبہ کو خدا کا گھر سمجھتے رہے ہیں اور اسی کے پاس (جیسا کہ تورات میں بیان کیا گیا ہے) ابراہیمی قربان گاہ بھی ہے۔ نیز قربان پہلوٹھا بیٹا ہوا اور پہلوٹھے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے، جیسا کہ تورات میں تصریح ہے اور جیسا کہ مسلمان اور اہل کتاب دونوں اس پر متفق ہیں۔

نابغہ نے اپنے ایک مشہور قصیدہ میں رب کعبہ کی قسم کھائی ہے اور یہ قسم ان کے یہاں سب سے بڑی قسم تھی۔ اس قصیدہ میں وہ کہتا ہے:۔

فلا لعمری الذی مسحت کعبته
وما هریق علی الانصاب من جسد

پس نہیں! اس ذات کی قسم جس کے کعبہ کا میں نے طواف کیا اور ان مقدس خونوں کی قسم جو تھانوں پر بہائے گئے۔

والمؤمن العائذات الطیر یمسحها
رکبان مکة بین الغیل والسعد

اور اس ذات کی قسم جو پناہ ڈھونڈنے والی چڑیوں کو پناہ دیتی ہے جن پر مکہ کے قافلے غیل اور سعد کے درمیان گزرتے ہیں مگر ان کو ستاتے نہیں۔

"غیل" کی روایت فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ کی گئی ہے۔ اصمعی نے اس کی روایت فتحہ کے ساتھ کی ہے وہ کہتا ہے کہ الغیل "بفتح غین" چشمہ کے معنی میں ہے اور نابغہ نے اس سے مراد وہ چشمہ لیا ہے جو ابو قبیس سے نکلا تھا۔ ابو عبیدہ نے اس کی روایت بکسر غین "کی ہے۔ اس کے نزدیک غیل اور سعد دونوں جھاڑیاں ہیں جو مکہ اور منیٰ کے مابین نشیب میں تھیں جہاں پانی جمع ہو جایا کرتا تھا۔ یہ بیان تورات کے بیان کے بالکل مطابق ہے۔ پیدائش ب ۲۲ : ۱۳ میں ہے:۔

"اور ابرہام نے نگاہ کی اور اپنے پیچھے ایک مینڈھا دیکھا جس کے سینگ جھاڑی میں اٹکے ہوئے تھے، تب ابرہام نے جا کر اس مینڈھے کو پکڑا۔"

یہ بیان کسی طرح اس مقام پر چسپاں نہیں ہوتا جس کے قربان گاہ ہونے کے مدعی یہود و نصاریٰ ہیں۔

نابغہ نے یہاں خانہ کعبہ کا ذکر اس کی تمام مخصوص صفات کو پیش نظر رکھ کر کیا ہے۔ وہ بیت اللہ ہے، وہ لوگوں کے لیے دارالامن ہے، یہاں تک کہ چڑیاں بھی اس میں امان پاتی ہیں۔ پھر وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ غیل اور سعد کے پاس ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تصریح محض تعریف کے قصد سے نہیں ہو سکتی کیونکہ خانہ کعبہ کی شہرت اس طرح کی تعریف سے بالکل مستغنی تھی، تمام لوگ اس

کو جانتے پہچانتے تھے۔ پھر عرب شعراء کا یہ طریقہ بھی نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کی تعریف و توصیف ایسے خصوصیات و حالات کے ذکر سے کریں جن کو محل و مقام سے کوئی مناسبت نہ ہو، یہ موقع بیانِ عظمت و شان کا ہے۔ اس لیے یقیناً یہ اشارہ خانہ کعبہ کے سبب تقدس کی طرف ہوگا۔ یعنی یہ خانہ کعبہ قربان گاہ ہے جو اس جھاڑی کے پاس ہے جس میں حضرت اسماعیلؑ کا فدیہ بننے والے مینڈھے کے سینگ اٹکے ہوئے تھے۔ گویا ذبح کے سلسلہ میں تورات میں جو کچھ بیان ہوا ہے، نابغہ کے شعروں میں اس کی طرف ایک لطیف تلمیح ہے۔

امیہ بن ابی الصلت نے واقعہ ذبح کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور ایسے قرائن اور ایسی تصریحات کے ساتھ بیان کیا ہے جن کا تعلق صرف حضرت اسماعیلؑ ہی سے ہو سکتا ہے۔ وہ اپنے مشہور قصیدہ میں کہتا ہے۔

ولابراهیم الموفی بالنذر احتسابا وحامل الاجذال

اور ابراہیم کے لیے جو راستبازی کے ساتھ نذر پوری کرنے والے اور سوختنی قربانی کے لیے ایندھن لے جانے والے تھے۔

بکرہ لم یکن لیصبر عنہ او یراہ فی معشر اقتال

اپنے پہلوٹھے کی نذر، جس کے فراق کو برداشت نہ کر سکتے تھے اور نہ اس کو دشمنوں کے اندر دیکھ سکتے تھے۔

ابنی انی نذرتک للہ شحیطا فاصبر فدی لک حالی

اے بیٹے! میں تمہیں خاک و خون میں آغشتہ خدا کی نذر مانا ہے، پس ثابت قدم رہنا، میری جان تم پر قربان

واشدد الصفد لا احید عن السکین حید الاسیر ذی الاغلال

ہاتھ پاؤں باندھ دیجیے، میں چھری سے بھاگوں گا نہیں، بندھے ہوئے قیدی کی طرح

ولہ مدیۃ تخایل فی اللحم حذام خنیۃ کالہلال

اور اس کے ہاتھ میں چھری تھی، گوشت کے اندر تبختر کے ساتھ چلنے والی، تیز، ہلال کے مانند ٹیڑھی

بینما یخلع السرابیل عنہ فکہ ربہ بکبش جلال

ابھی وہ اس کا قمیص اتار رہا تھا کہ خدا نے ایک کڑیل مینڈھے کا فدیہ دے کر اس کو چھڑا لیا

فخذن ذا وارسل ابنک انی للذی قد فعلتما غیر قال

اس کو لو، اپنے بیٹے کو چھوڑ دو، میں تم دونوں کے فعل سے راضی ہوں۔

والد یتقی وآخر مولود فطارا منہ بسمع فعال

خدا ترس باپ اور جانباز بیٹا، دونوں اس سے حسن شہرت کے آسمان پر پہنچے۔

ربما تجزع النفوس من الامر لہ فرجۃ کحل العقال

بعض مرتبہ لوگ بعض مشکلات سے گھبراتے ہیں حالانکہ بندھن کی طرح اس کی گرہ کھل جاتی ہے۔

اس نے تصریح کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلوٹھے بیٹے کو قربان کیا اور پہلوٹھے بالاتفاق حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ نیز اس امر کی بھی تصریح کی ہے کہ وہ اپنے باپ کی طرف سے نذر تھے۔ اور یہی قرآن مجید سے بھی مفہوم

ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم نہیں دیا تھا جیسا کہ باب اول اور باب دوم میں گزر چکا ہے۔

خاتمہ

ایک اجمالی مگر جامع نظر

۴۰۔ اگر حقائق کا یہ حال ہے کہ ان کے آگے پیچھے باطل کا ایک ایسا غبار اٹھا دیا گیا ہے کہ ایک طالب حقیقت کو اصل حقیقت تک پہنچنے کے لیے تمام دفتر معقول و منقول کو پوری دقت نظر کے ساتھ کھنگالنا پڑتا ہے اور یہ ایک ایسا کام ہے جو بعض حالتوں میں ہمتوں کو پست اور اصل معاملہ کو اور زیادہ الجھا کے رکھ دیتا ہے۔ میں اس فصل میں استدلال کی ایک ایسی راہ کھولنا چاہتا ہوں جو اصل مقصد تک بغیر کسی مشقت و صعوبت کے پہنچاتی ہو۔ یہ طریقہ میرے نزدیک اس قسم میں داخل ہے جس کو میں اوپر "جوامع الادلہ" کے نام سے ذکر کر آیا ہوں اور جس کی کسی قدر تفصیل فصل ۱۳ میں بیان ہوئی ہے۔ یہاں میں اس کو مختصراً ایک ایسے جامع طریق کی صورت میں پیش کرنا چاہتا ہوں جو تورات اور قرآن کے بیانات کو یکجا کر دے۔

یہ معلوم ہے کہ تورات اور قرآن مجید میں بعض امور تو یکساں تفصیل و توضیح کے ساتھ بیان ہوئے ہیں اور بعض میں ایسا ہوا ہے کہ تورات میں واقعہ کے جو حصے بیان نہیں ہوئے ہیں قرآن نے وہ بیان کیے ہیں۔ اس واقعہ میں بھی بالکل یہی صورت ہے۔ قرآن نے واقعہ کے وہ حصے کھول دیے ہیں جو تورات میں موجود نہیں ہیں۔ اس وجہ سے اگر دونوں کی بیان کی ہوئی تفصیلات یکجا کر دی جائیں تو اصل حقیقت پوری تفصیل و وضاحت کے ساتھ سامنے آ جائے گی۔

پہلے تورات کو لو۔ اس میں یہ ہے کہ قربانی اکلوتے بیٹے کی ہوئی۔ نیز یہ کہ حضرت ابراہیمؑ نے مذبح بنایا، بیت ایل کے مشرق میں سکونت اختیار کی، اور ایک مقدس مقام پر، جو اللہ نے ان کو دکھایا، اپنے بیٹے کی قربانی کی۔ یہ باتیں تورات میں وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی ہیں، لیکن تورات میں اس کا پتہ نہیں چلتا کہ حضرت ابراہیمؑ کا قیام کہاں تھا، یہ بیت ایل کہاں واقع تھا۔ اور نہ ہی بیت ایل کے پاس ان کا اپنی اولاد میں کسی کو دینی خدمت کی غرض سے بسانے اور اس کے حج کرنے کا کوئی ذکر ہے۔ ان امور کی پوری تفصیل قرآن مجید نے فرمائی ہے۔ اس میں ہم کو ملتا ہے کہ ان تمام کاموں میں حضرت اسماعیلؑ اپنے باپ کے شریک و سہیم رہے۔ پھر تورات یا قرآن کسی سے بھی اس امر کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ حضرت اسحاقؑ کنعان سے اس معبد کے پاس آئے بھی ہوں، اس کے پاس رہنا اور بسنا تو درکنار۔ ان تمام امور کو سامنے رکھ کر اگر غور کرو گے تو یہ بات تم پر پوری طرح واضح ہو جائے گی کہ ذبیح صرف حضرت اسماعیل ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ اپنے بھائی حضرت اسحاقؑ کی ولادت سے پہلے اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے وہی تھے۔ وہی مکہ میں بیت اللہ کی خدمت کے لیے نذر کیے گئے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا
بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ

اور ہم نے ابراہیم و اسمٰعیل کو یہ خدمت سونپی کہ میرے
گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور

السُّجُودِ۔ (بقرہ ۔ ۱۲۵) رکوع سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔

اور حضرت اسحاقؑ برابر کنعان ہی میں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے وہیں ان کو برکت دی۔ وہیں سے ان کی اولاد مصر میں داخل ہوئی، اور پھر وہ تمام واقعات پیش آئے جن کی تفصیل صحیفوں میں مذکور ہے۔

یہ تمام تفصیل جو ہم نے پیش کی ہے ان لوگوں کے لیے بالکل واضح ہے جن کو عقل و بصیرت کی روشنی ملی ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى نَبِيِّهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔